شرح

کلیاتِ اقبال اردو

از:
ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

- بانگِ درا
- بالِ جبریل
- ضربِ کلیم
- ارمغانِ حجاز

شارح:
الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

اسلام بک ڈپو

شرح کلیاتِ اقبال اردو

از: ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

شارح: الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مسلم کتابوی

شرح

کلیاتِ اقبال اردو

از:
ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

• بانگِ درا • بالِ جبریل
• ضربِ کلیم • ارمغانِ حجاز

شارح:
الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

اسلام بک ڈپو

''اقبال کی شاعری کی خاص عایت تھی، مولانا حالی کی طرح اقبال نے بھی اپنی شاعری سے قوم اور ملک کو جگانے اور رہنمائی کا کام لیا۔ یہ اُس کے خیال اور فکر کی قوت اور حدت تھی جس نے اُس کے کلام اور طرز بیان میں زور اور جوش پیدا کردیا''

بابائے اُردو، ڈاکٹر مولوی عبدالحق

''علامہ اقبال کا شمار بیسوی صدی کے عظیم ترین شعراء اور مفکرین میں کیا جاتا ہے۔ ان کا خیات ہی میں انہیں ''شاعر مشرق'' کہا جانے لگا''۔

(نکولائی گلیبوف، روس)

''اقبال۔۔۔۔ ایک شاعر جس نے زمانے پر اپنا سکہ بٹھادیا''

(ڈاکٹر طہٰ حسین، مصر)

''صرف سرزمین پاکستان کے لئے نہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ آزادی، وطن پرستی اور فضیلت کے لیے کوشاں تمام مسلمانوں اور انسانوں کی خدمت کرنے والے مفکر شاعر اقبال ہیں''

(ڈاکٹر عبدالقادر کراخان، ترکی)

''ہم اقبال کو عہد جدید کا زبردست مفکرِ اسلام، مجددِ ملت اور اسلامی انقلاب کا سب سے بڑا داعی کہتے ہیں''

(مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

''محمد اقبال ہمارے عہد میں اسلامی فکر اور انسانی و بین الملکی اسلامی بصیرت کے مظہر ہیں''

(ڈاکٹر علی شریعتی، ایران)
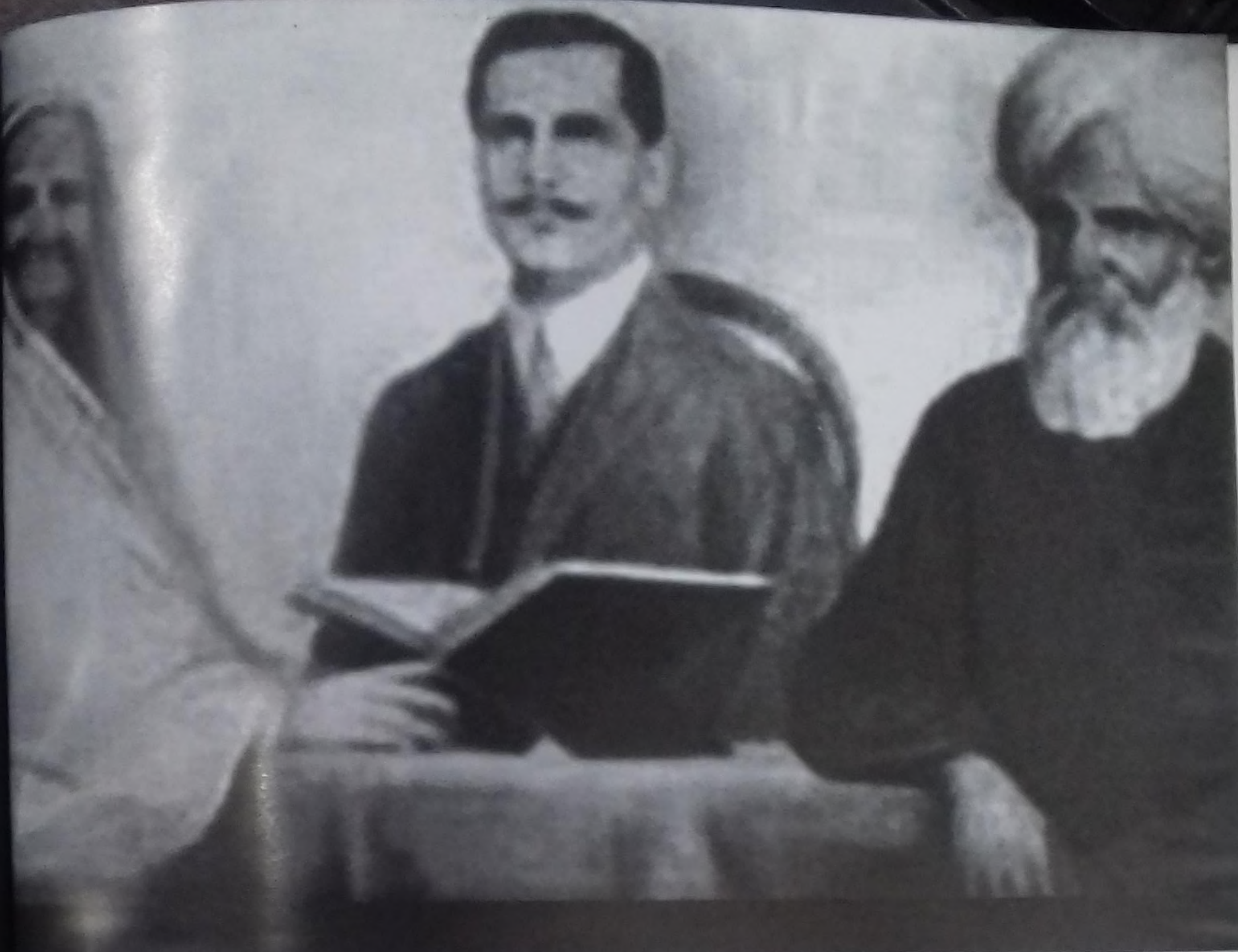
بار اول .... ستمبر 2015ء

پرنٹرز .... آصف صدیق، پرنٹرز

تعداد 1100/-

ناشر .... چوہدری غلام رسول۔ میاں جواد رسول۔ میاں شہزاد رسول

سرورق .... محمد حامد رؤف

قیمت

نیوز پرنٹ/سنچری پیپر اعلیٰ کوالٹی =/1600 روپے

آفسیٹ پیپر =/1200 روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

شو روم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5۔ مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
اردو بازار لاہور

اسلام بک ڈپو ۱۲ گنج بخش روڈ لاہور
فون: 042-37112941

علامہ اقبال کے
استاد شمس العلماء سید میر حسن
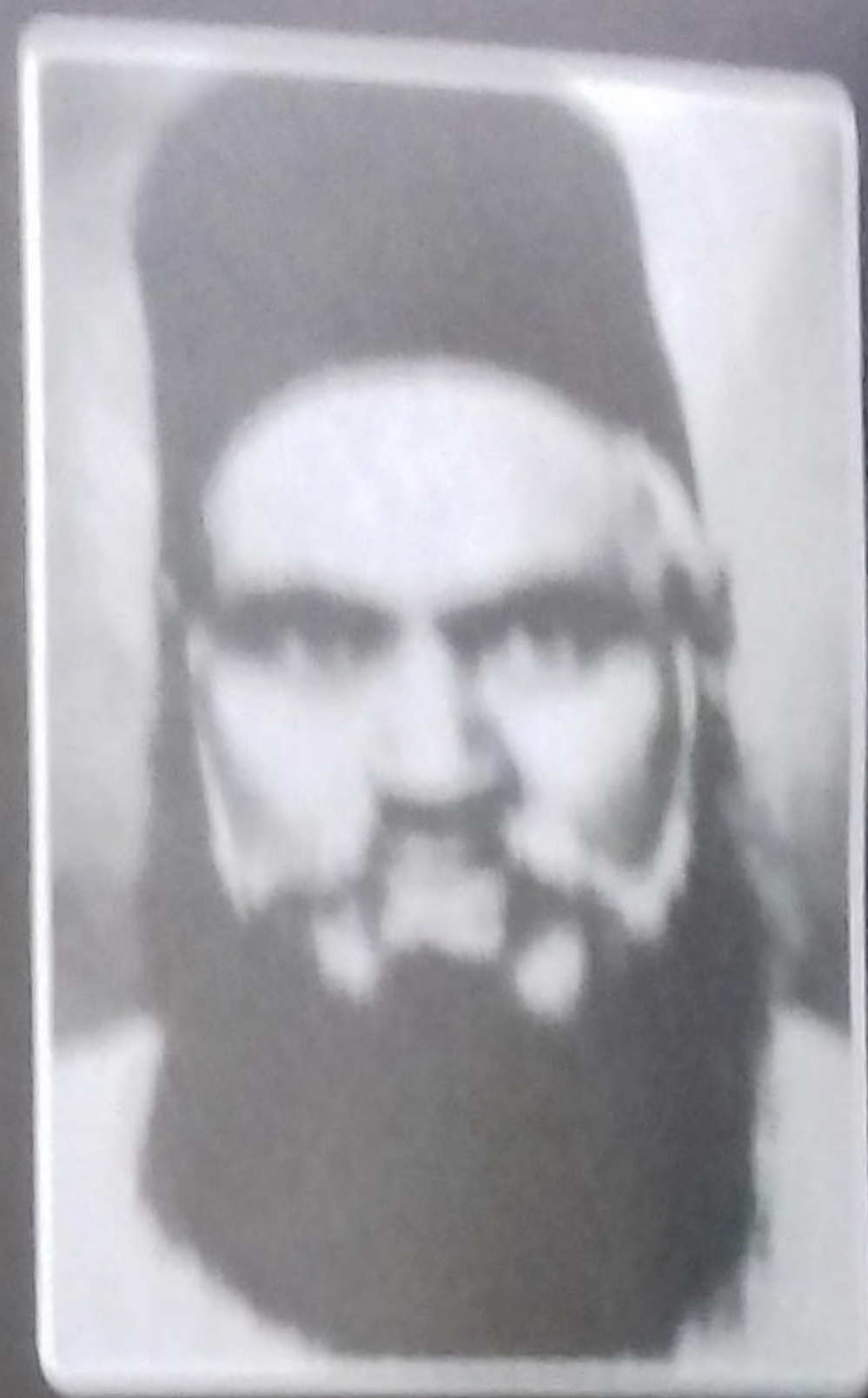
علامہ اقبال اپنے قریبی ساتھیوں کے ہمراہ
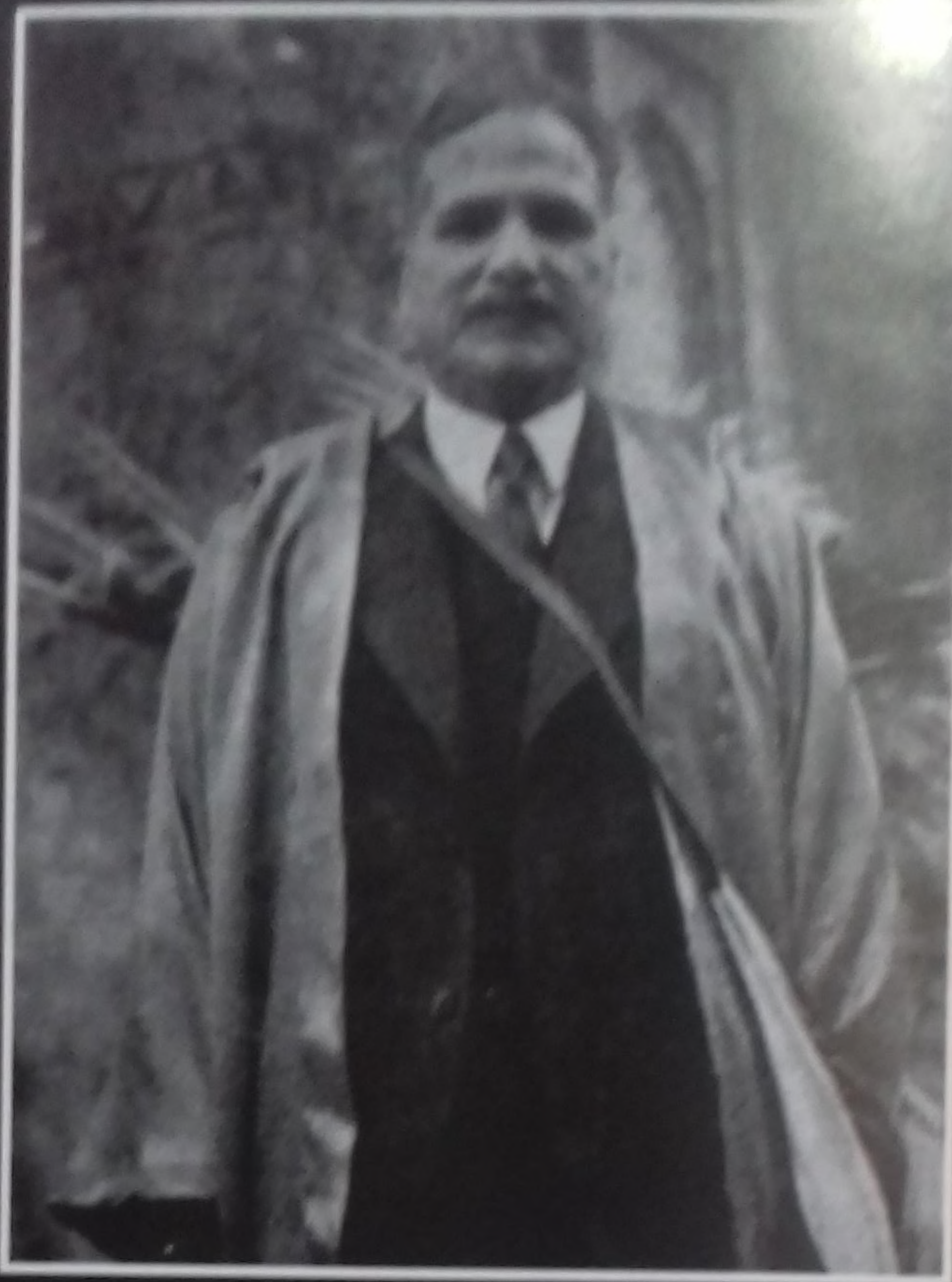
جرمن میں لی گئی
علامہ اقبال کی یادگار تصویر
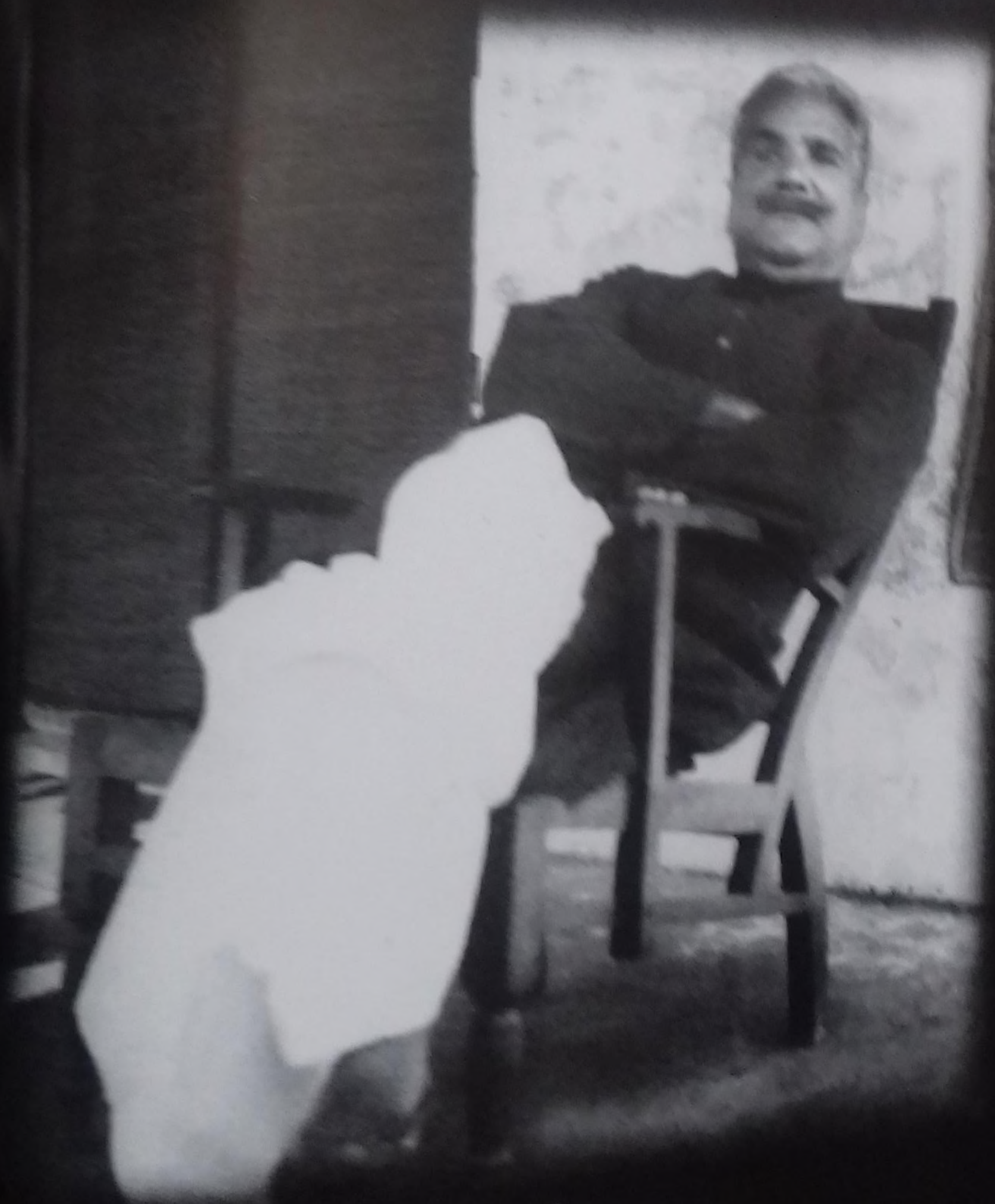
علامہ اقبال کی یادگار تصویر

جرمن میں لی گئی
علامہ اقبال کی یادگار تصویر
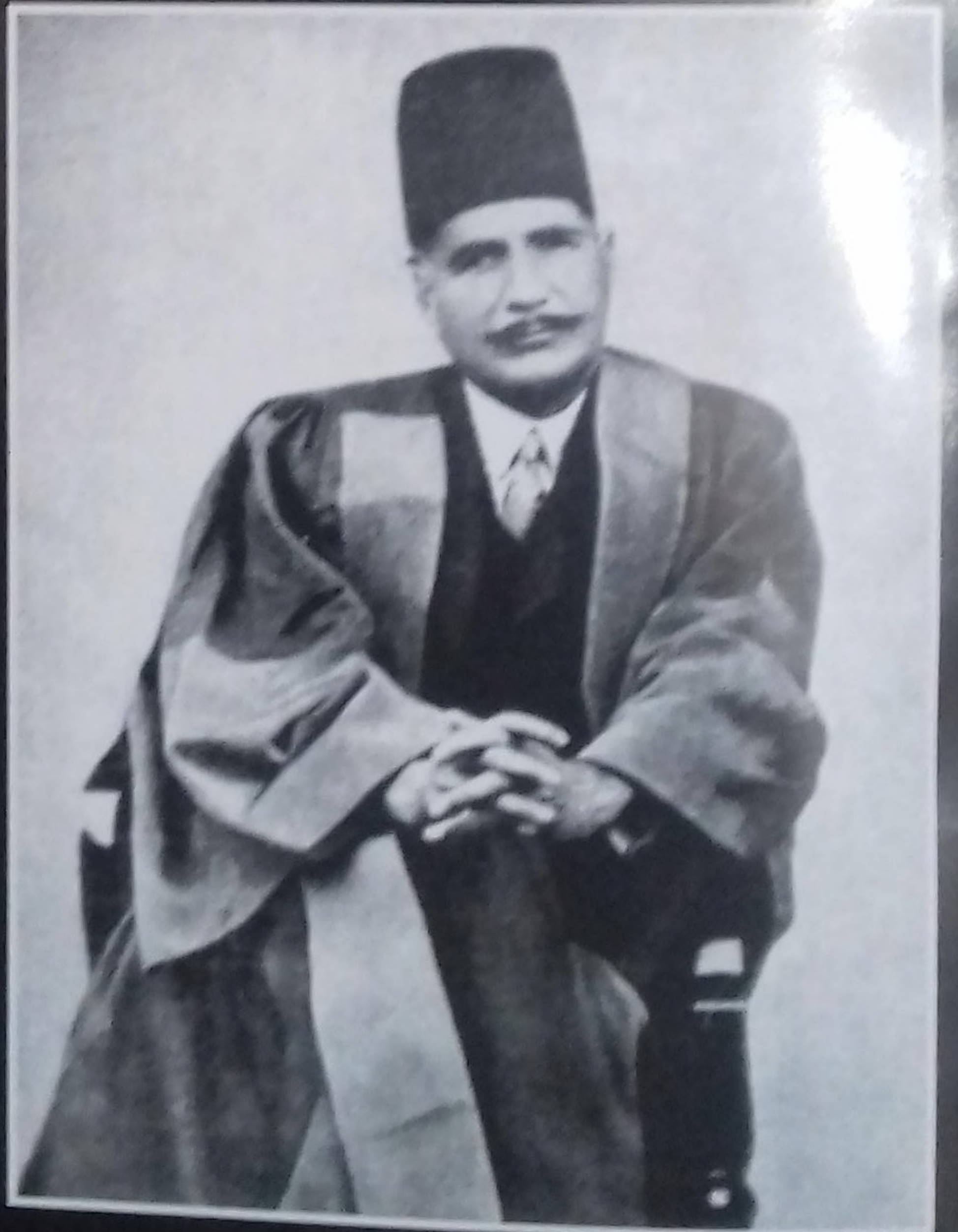
1907 میں علامہ اقبال نے دورانِ
تعلیم جرمنی میں اس مقام پر قیام فرمایا تھا
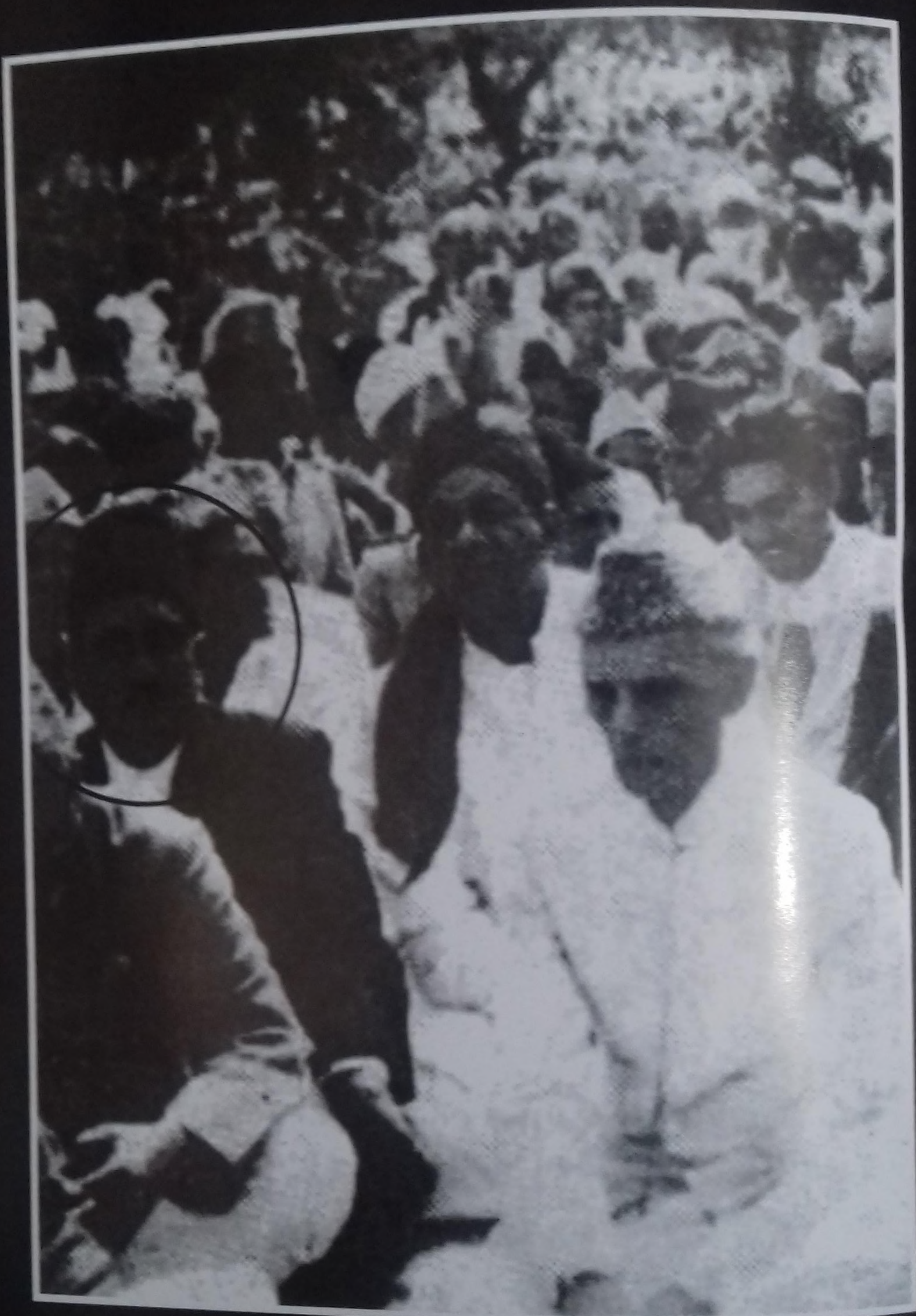
تحریک پاکستان کے موقع پر قائداعظم اور علامہ اقبال
کی ایک لاجواب تصویر

علامہ اقبال کی ایک خاص لباس زیر تن کیے ہوئے ایک نایاب تصویر

یہ تصویر معارف کو بھیجی گئی جو طہران (ایران) سے شائع ہوئی

علامہ اقبال کی اُردو اور فارسی میں خوبصورت اشعار

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال
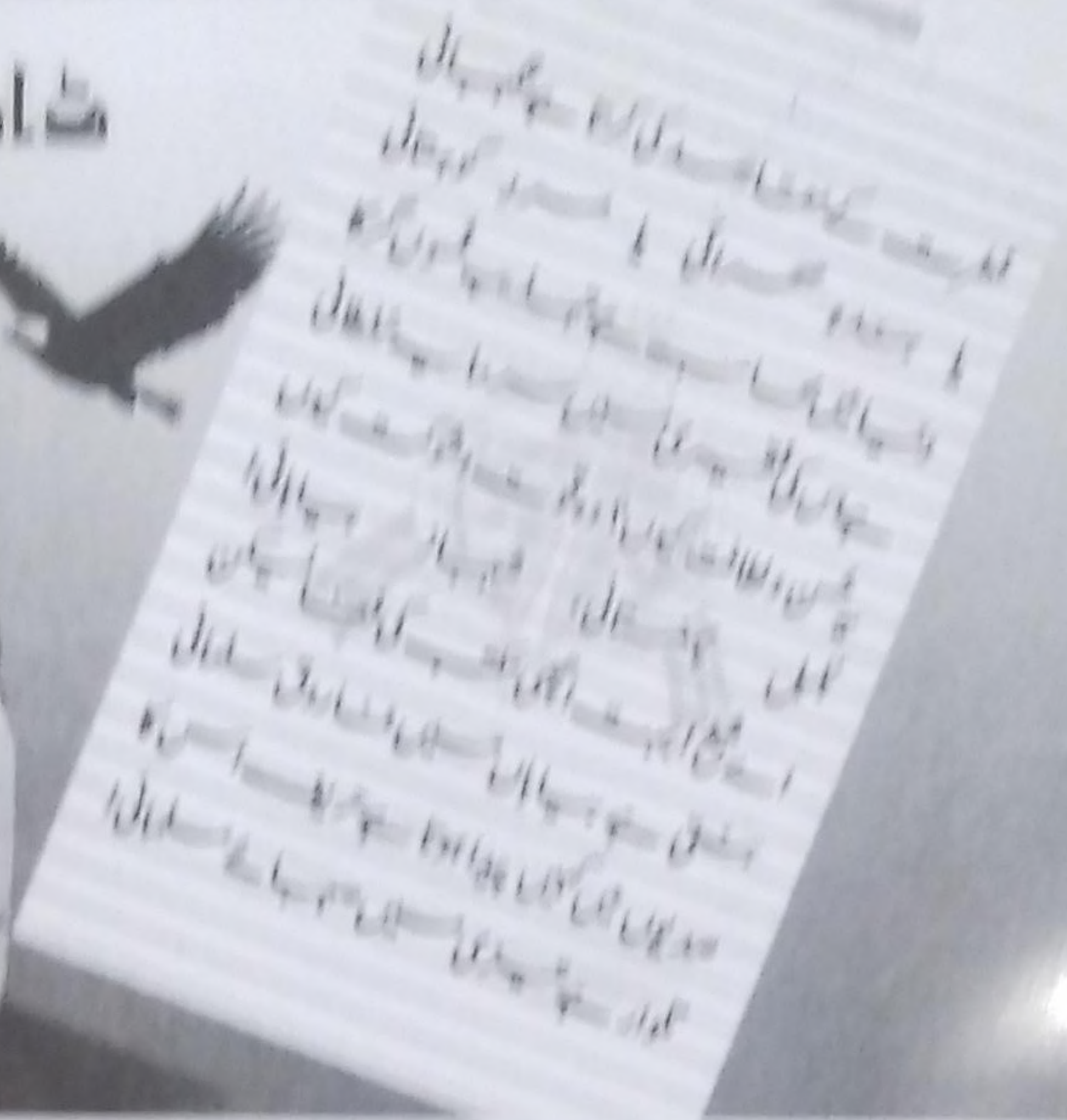
مَیں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا......

فنِ شاعری سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض

مقاصدِ خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے حالات و

روایات کی رُو سے مَیں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے ورنہ

نہ بینی خیر ازاں مردِ فرودست

کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست

اقبالؒ

علامہ اقبال کے زیر استعمال گھر کا منظر
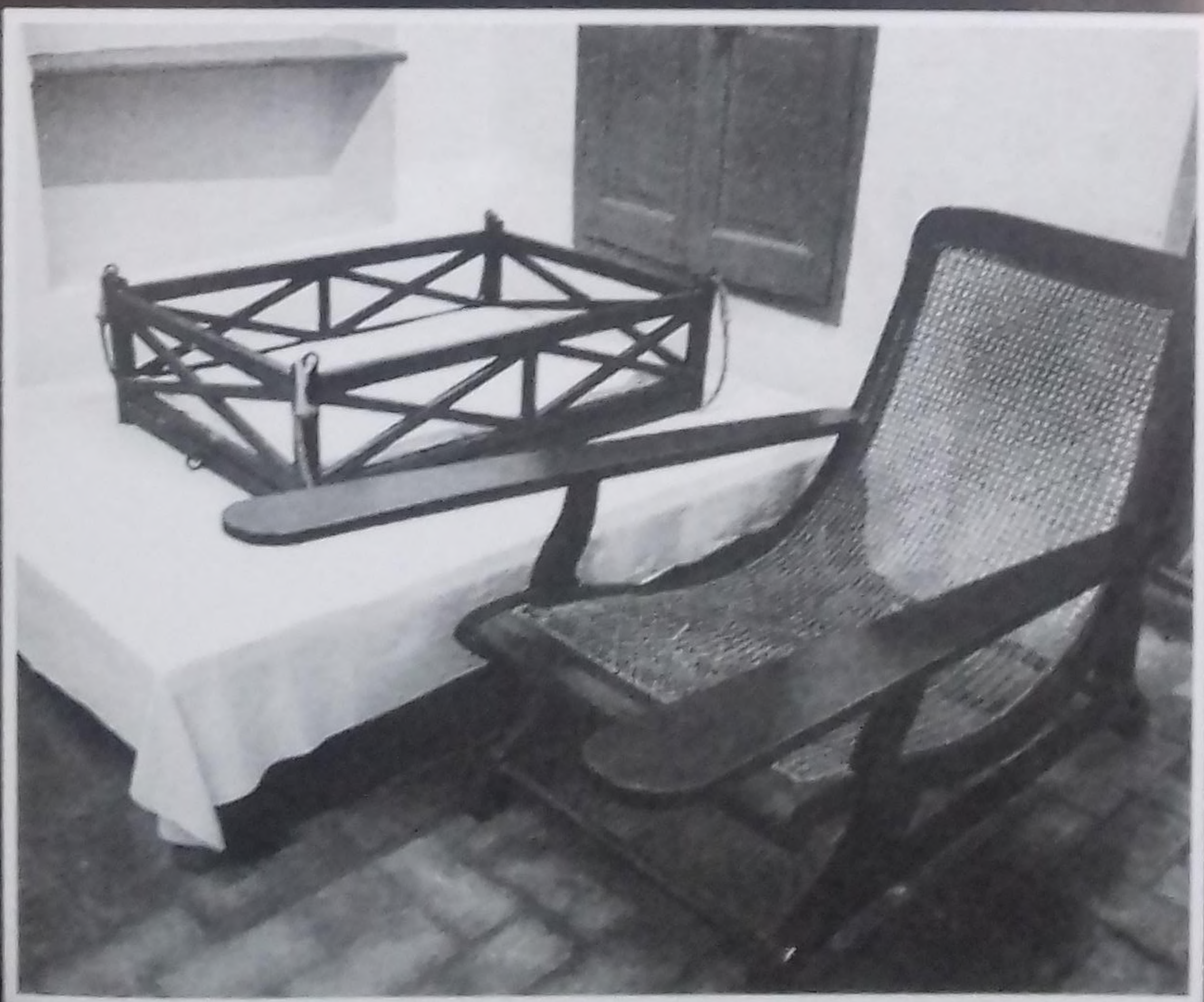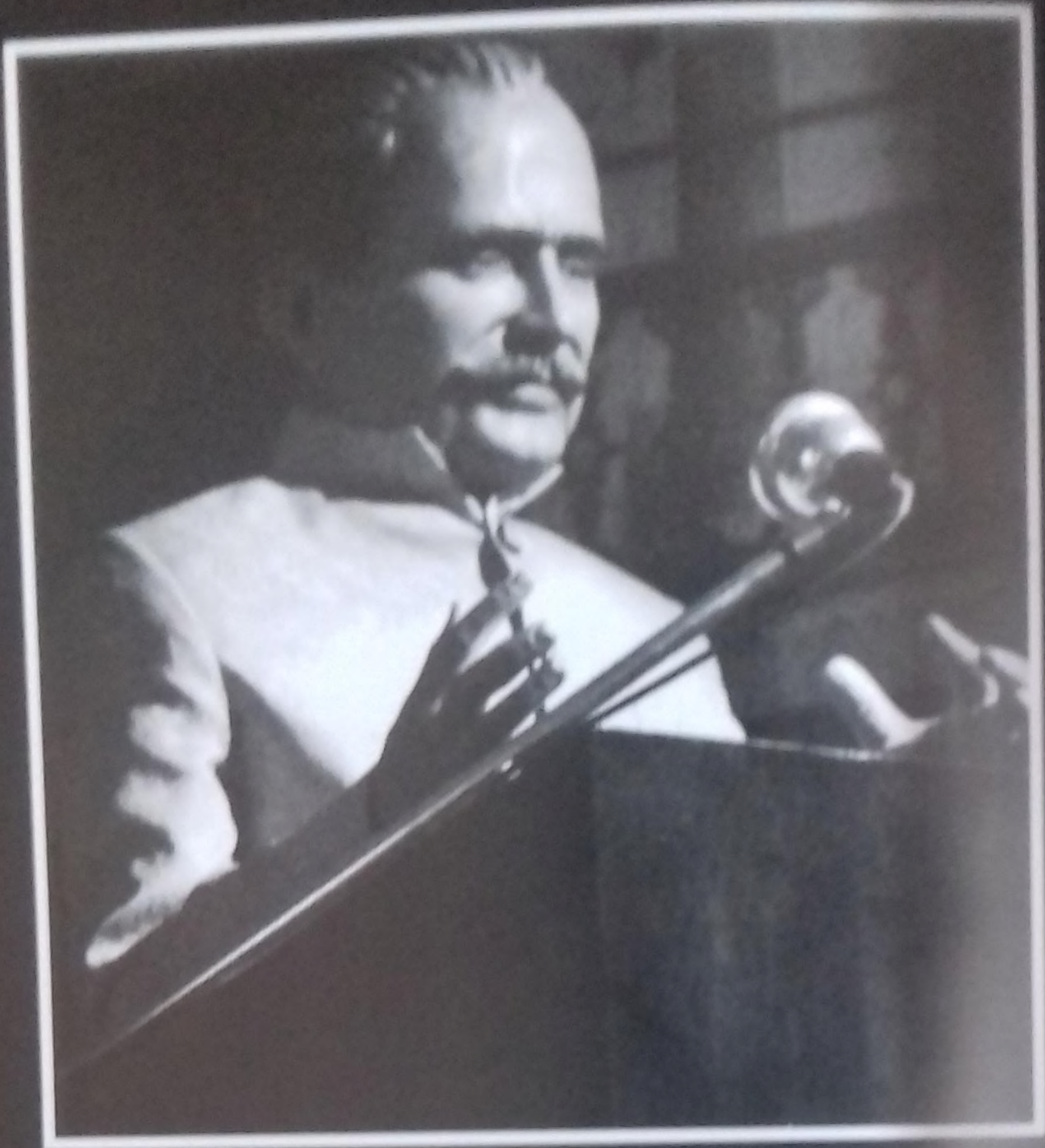
علامہ اقبال کا مجسمہ
اور جاوید منزل جو آج کل اقبال میوزیم کہلاتا ہے

علامہ اقبال اپنے فرزند جاوید اقبال کے ساتھ

علامہ اقبال کی مختلف انداز میں تصاویر
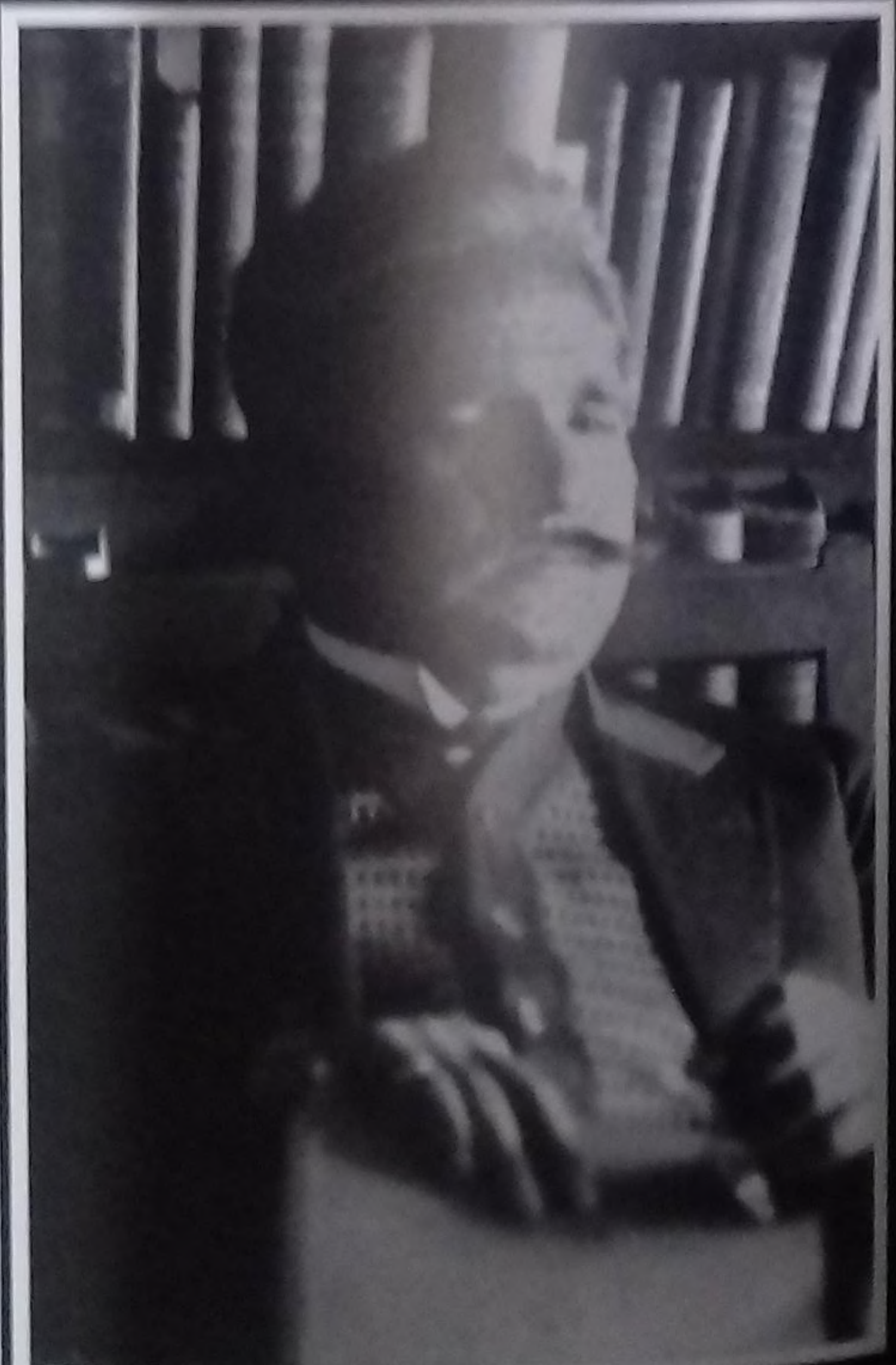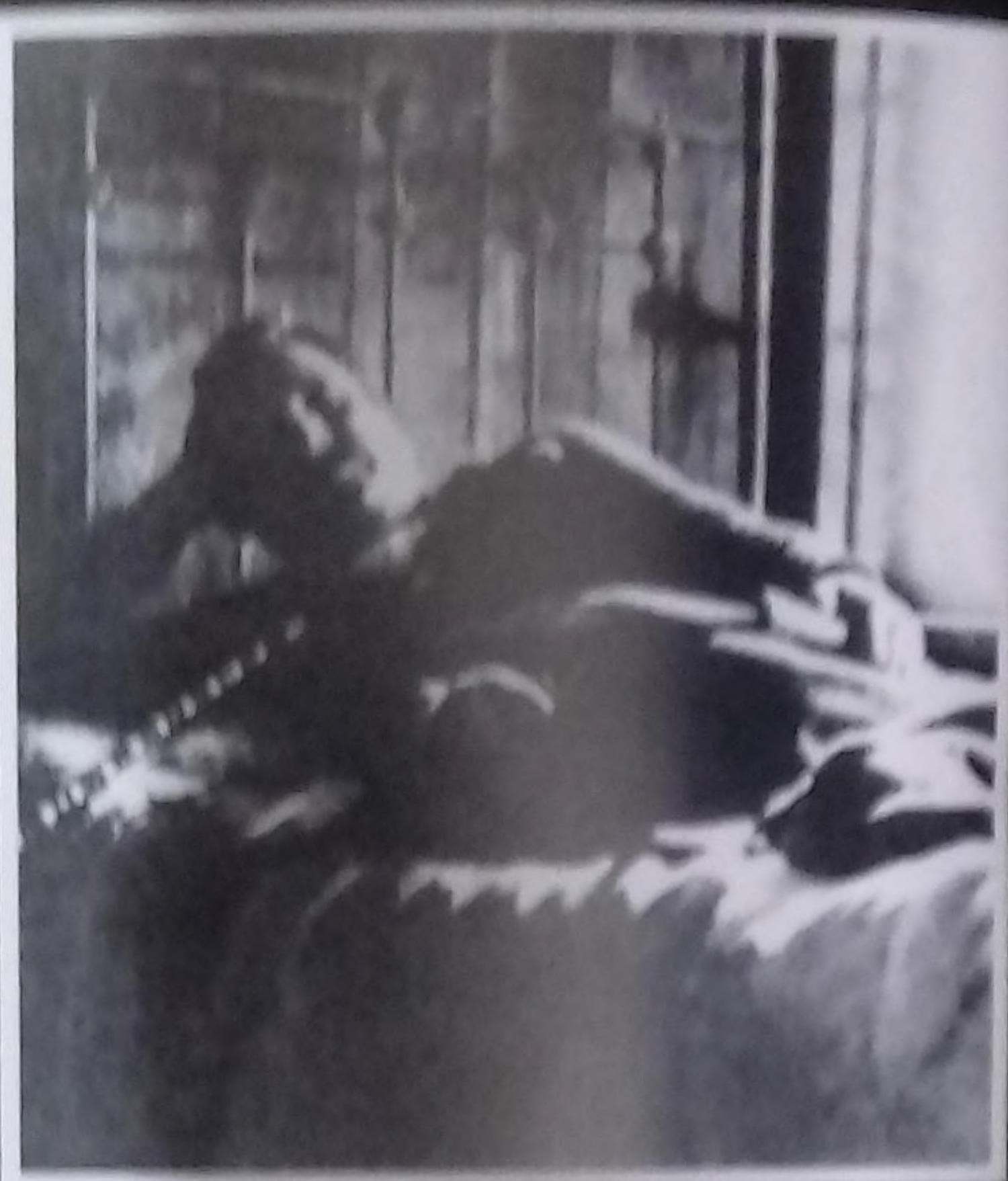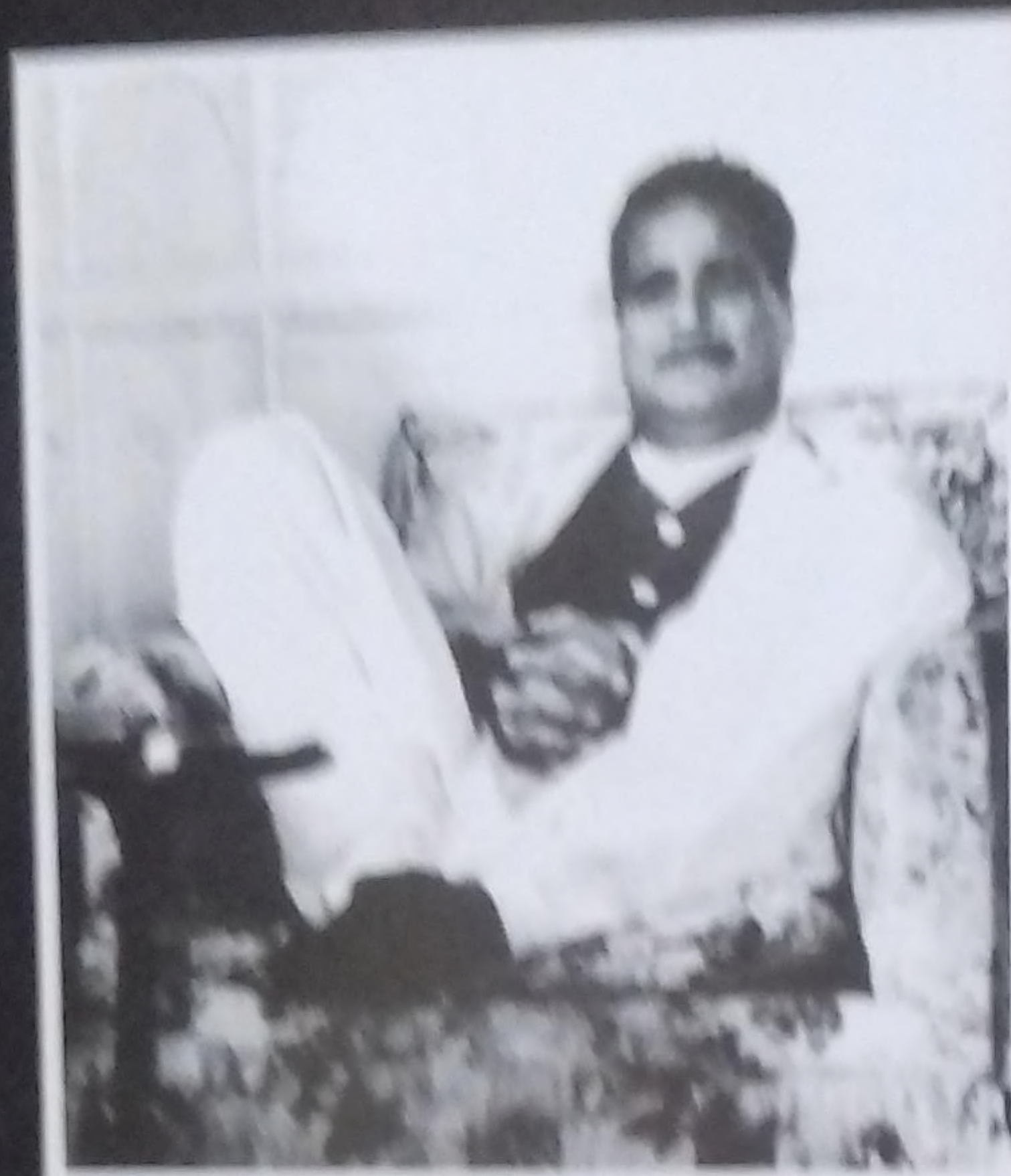
علامہ اقبال کی آخری آرام گاہ کا اندرونی منظر

علامہؒ اقبال کا آخری آرام گاہ کا بیرونی منظر
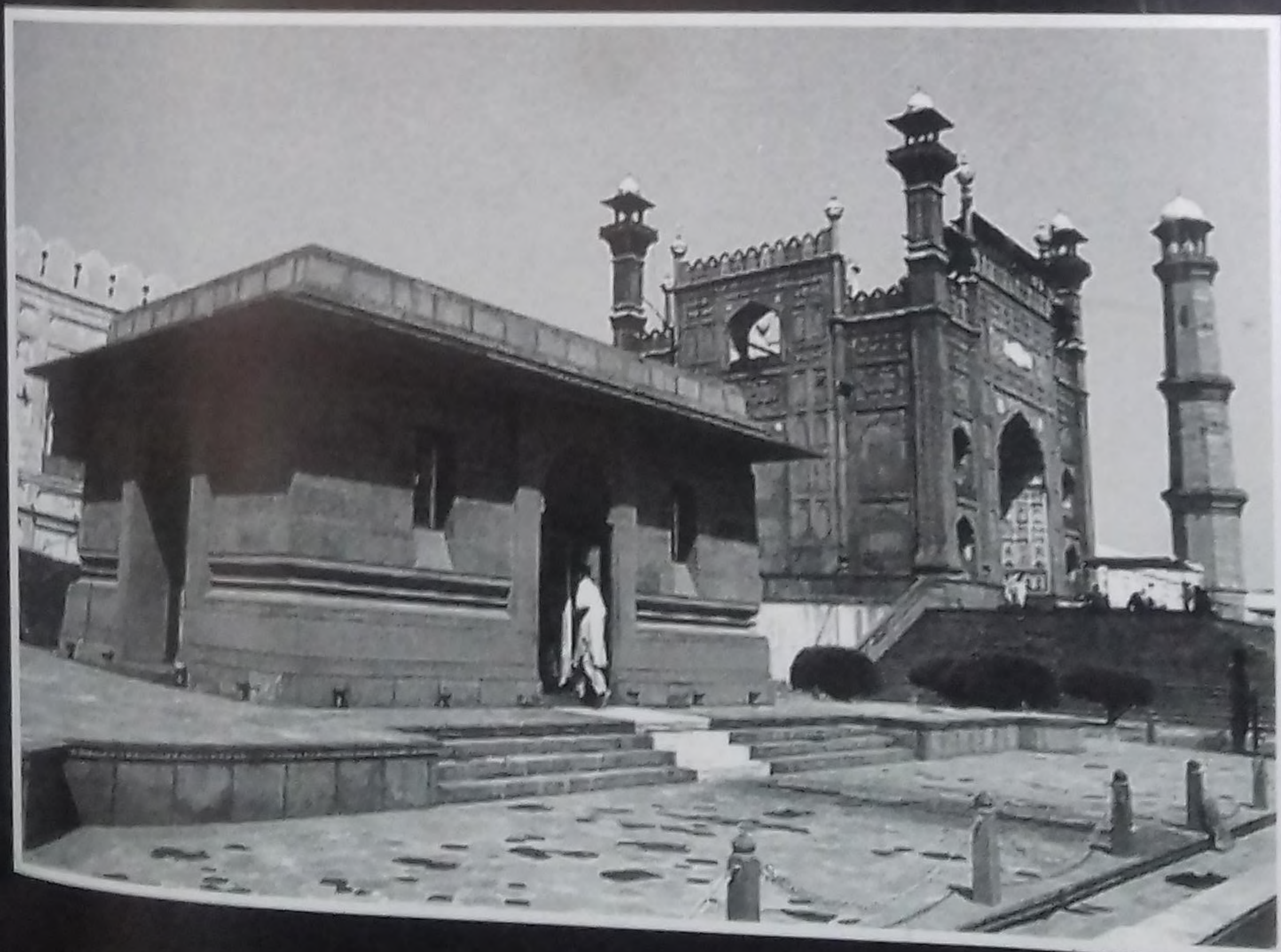
شرح کلیاتِ اقبال اردو

- بانگِ درا
- بالِ جبریل
- ضربِ کلیم
- ارمغانِ حجاز

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

شارح

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دار العلوم حزب الاحناف
شیخ الحدیث جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن لاہور

اسلام بک ڈپو

۱۲ گنج بخش روڈ لاہور

فون: 042-37112941

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح کلیاتِ اقبال اردو

ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ

شارح

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دار العلوم حزب الاحناف
شیخ الحدیث جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن لاہور

بار اول	ستمبر 2015ء
پرنٹرز	آصف صدیق، پرنٹرز
تعداد	1100/-
ناشر	چوہدری غلام رسول - میاں جواد رسول

فہرست

بانگِ درا

حصہ سوم

(1908ء سے ـــــ)

بالِ جبرئیل

رباعیات

منظومات

ضربِ کلیم

ارمغانِ حجاز

اُردو نظمیں

رباعیات

ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض

انتساب

مخدوم الاولیاء سیّد الاصفیاء امام الاتقیاء قدوۃ العلماء زبدۃ العرفاء، سیّد السادات

حضور فیض گنجور حضرت

سیّدنا علی بن عثمان ہجویری

المعروف

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ

کے بابرکت نام کی طرف،

کیونکہ خود علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بڑی عقیدت کے ساتھ حاضری دیا کرتے تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں پوری ایک نظم کا نذرانہ بھی پیش کیا جس کا مطلع یہ ہے:

سیّد ہجویر مخدوم امم
مرقد او پیر سنجر را حرم

دُعاگو:

خاکپائے اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم

غلام حسن قادری

الاهداء

اپنے پیارے دوست اور عزیز از جان محترم جناب

طارق محمود صاحب

ریونیو سوسائٹی لاہور

کے والد گرامی مرحوم و مغفور جناب

محمد نذیر صاحب

کی روح پر فتوح کو ثواب کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے اپنی اس کتاب کا ہدیہ کر رہا ہوں۔

جب تک یہ کتاب پڑھی جاتی رہے اور جتنے لوگوں کو اس سے فائدہ ملتا رہے خدا تعالیٰ اس کا ثواب مرحوم کی روح کے لیے صدقۂ جاریہ کے طور پر قائم و دائم رکھتے ہوئے انہیں آخرت کا سکون، جنت کی نعمتیں، حضور علیہ السلام کی شفاعت اور اپنا قربِ خاص عطا فرمائے۔ ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

دُعا گو:

غلام حسن قادری

حرفِ ابتداء

اللہ عزوجل کے بابرکت نام سے ابتداء جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے اور ہر شے اسی کے تابع فرمان ہے اور اس ذاتِ واحد نے حضور نبی کریم ﷺ کو اپنا محبوب بنایا اور انہیں شافع روزِ جزا بنایا اور خود اپنے حبیب ﷺ پر درود و سلام بھیجا۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے نامور شعراء میں ہوتا ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو "شاعر مشرق" اور "مصورِ پاکستان" کے القابات سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شاعری کے ذریعے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں علیحدہ وطن کی تحریک میں نئی روح پھونک دی۔

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے اردو اور فارسی شعراء میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ بے حد بلند ہے۔ تخیل کی عظمت، نظر کی وسعت، فکر کی رفعت، ترجمانی حقیقت، زود اثر اور صاحب درس و پیغام ہونے کے اعتبار سے کوئی دوسرا شاعر آپ کا ہمعصر دکھائی نہیں دیتا۔ آپ سے قبل مرزا غالبؔ نے شاعری میں جدت پیدا کی تھی اور حالی بھی اگرچہ بڑے شاعر تھے جنہوں نے قوم کے دل و دماغ میں ہیجان و انقلاب پیدا کیا مگر قوم کی رہنمائی آپ نے کی اور قوم میں جو شعور اجاگر کیا وہ کسی دوسرے شاعر کی شاعری نے نہ کیا۔ آپ ماضی، حال اور مستقبل تینوں حیثیتوں میں جامع تھے اور آپ نے وہ کام کیا جو بڑے سے بڑے مصلح بھی نہ کر سکے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش اس دور میں ہوئی جب مسلمان برصغیر پاک و ہند میں زوال اور انحطاط کا شکار تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کی حالت زار پر نوحہ کرنے کی بجائے مسلمانوں کو ان کے بہتر مستقبل کی نوید سنائی اور مسلمانوں کو نسلی، لسانی، گروہی، فرقہ وارانہ اور علاقائی سوچ کو ترک کر کے ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کی اور امت مسلمہ کو وحدت کا درس دیا۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کر دے

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے فن پر بے شمار کتب اور مقالے لکھے جا چکے ہیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا ترجمہ اور تشریح بھی بے شمار لوگوں نے کی ہے مگر میں نے یہ کوشش کی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا آسان اور بامحاورہ ترجمہ کیا جائے اور کلام میں موجود پیغام کو اور پیغام کی اہمیت کو اس کے حقیقی معنوں میں اجاگر کیا جائے۔ میں اپنی اس کاوش میں کس حد تک کامیاب رہا ہوں اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں گے اور جہاں کہیں مجھ سے کمی و کوتاہی ہوئی ہے اس کی نشاندہی فرمائیں گے تاکہ میں اپنی اصلاح کر سکوں۔

دُعا گو

الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری

مفتی دار العلوم حزب الاحناف شیخ الحدیث جامعہ رضویہ ماڈل ٹاؤن لاہور

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

آباؤ اجداد:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے آباد و اجداد کشمیر سے پنجاب آئے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد سترھویں صدی عیسوی میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور تقریباً اسی زمانہ میں کشمیر سے ترکِ وطن کر کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ آپ کے خاندان کے مورثِ اعلیٰ نے سیالکوٹ کو اپنا وطن قرار دیا۔ آپ کا خاندان کشمیر کے معزز پنڈتوں میں شمار کیا جاتا تھا اور اپنے برہمن ہونے کے متعلق آپ یوں بیان کرتے ہیں۔

میر و مرزا بہ سیاست دل و دیں باختہ اند

جز برہمن پسرے محرمِ اسرار کجاست

ایک اور جگہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمے بینی

برہمن زادۂ رمز آشنائے رُوم و تبریز ست

والد بزرگوار:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے والدین مکارمِ اخلاق، دینداری، زہد و تقویٰ سے آراستہ تھے۔ آپ کے والد بزرگوار اسی برس کی عمر میں بصارت کھو چکے تھے۔ انہوں نے سو سال کی عمر پائی۔ وہ کسی ایسے افسر کے ملازم تھے جس کی کمائی میں رشوت کا شبہ ممکن تھا حالانکہ خود ان کی تنخواہ ہر قسم کے اشتباہ سے پاک تھی پھر بھی آپ کی والدہ اس روپیہ کی خریدی ہوئی کوئی چیز اپنے استعمال میں نہ لاتی تھیں۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ "رموزِ بے خودی" میں اپنے والد کی خدا ترسی کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں ایک دفعہ ایک سائل سوال کرتا ہوا ہمارے دروازہ پر آیا۔ مجھے اس کے اصرارِ سوال پر غصہ آ گیا اور میں نے اسے مارا۔ میرے مارنے پر جو کچھ وہ مانگ کر لایا تھا وہ گر پڑا۔ والد بزرگوار نے دیکھا تو بے حد مغموم ہوئے اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ فرمانے لگے جب امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میدانِ حشر میں جمع ہو گی غازی، شہید،

زاہد، عابد، عالم، حافظ سب موجود ہوں گے اور حضور نبی کریم ﷺ مجھ سے دریافت فرمائیں گے کہ ہم نے ایک بندۂ مسلم کو تیری فرزندگی اور نگہداشت میں دیا تو اسے بھی آدمی نہ بنا سکا تو میں کیا جواب دوں گا؟ پھر بیٹے کو مخاطب کرکے جو کچھ کہا ہے کس قدر موثر اور دلدوز ہے۔ کہتے ہیں۔

اند کے اندیش و یاد آرائے پسر
اجتماعِ امت خیر البشر
باز ایں ریش سفید من نگر
لرزۂ بیم و امید من نگر
بر پدر ایں جورِ نازیبا مکُن
پیشِ مولا بندہ رسوا مکن

والد بزرگوار کا خواب:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش سے قبل آپ کے والد نے ایک شب خواب دیکھا کہ ایک خوبصورت سفید کبوتر فضائے آسمانی میں پرواز کر رہا ہے۔ پھر وہ کبوتر اترا اور آپ کے والد کی گود میں آن بیٹھا۔ انہوں نے اس خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ میرا پیدا ہونے والا بچہ نیک بخت ہوگا اور اسلام کی نمایاں خدمت انجام دے گا۔

ولادت باسعادت:

الغرض ایسے مردانِ خدا کی آغوش میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ چوبیس (24) ذی الحجہ 1289ھ بمطابق 22 فروری 1873ء کو تولد ہوئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے محمد اقبال نام تجویز کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے خاص توجہ و اہتمام سے آپ کی ابتدائی تربیت کی اور اس عفت مآب خاتون کی تربیت کا نتیجہ آج دنیا کے سامنے ہے۔

تعلیم و تربیت:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"گھر پر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ مدت تک میں نے مکتب میں پڑھا پھر اسکول میں داخل ہوئے اور پانچویں جماعت میں نمایاں کامیابی کے صلہ میں وظیفہ پایا۔ اسی طرح مڈل کے درجات میں ہمدرسوں میں ممتاز رہے اور آٹھویں جماعت کے امتحان میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔ انٹر کا امتحان بھی امتیازی درجہ سے پاس کیا اور سرکاری وظیفہ کا حقدار ٹھہرا۔"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی عمر گیارہ یا بارہ برس تھی اور آپ سکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ایک دن آپ کو سکول پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ ماسٹر صاحب نے دیر سے آنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے بیساختہ جواب دیا۔

"اقبال دیر ہی میں آتا ہے۔"

اس بلندئ ستارہ کو شمس العلما مولوی سید میر حسن مرحوم کی دور اندیش نظروں نے شروع ہی سے جان لیا تھا اور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ابتدا ہی سے ان کی خاص توجہ کے مرکز بنے رہے تھے۔آپ چوتھی جماعت میں تعلیم حاصل کر رہے تھے ایک دن آپ کے والد مرحوم آپ کو لے کر مولوی سید میر حسن کے پاس جو ان کے خاص احباب میں تھے آئے اور فرمائش کی آپ اسے بجائے اسکول کی تعلیم کے اسلامی علوم کا درس دیا کریں۔مولوی سید میر حسن نے تبسم فرمایا اور جواب دیا۔

"یہ بچہ مسجد کی تعلیم کے لئے نہیں ہے یہ مدرسہ ہی میں پڑھے گا۔"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اس وقت سے ایف اے کی تعلیم ختم کرنے تک مولوی سید میر حسن کی تربیت وتعلیم سے مستفیض ہوتے رہے۔مولوی سید میر حسن شاگرد کی ہوش مندی و فراست کو بخوبی جانتے تھے چنانچہ انہوں نے بھی اس عرصہ میں عربی و فارسی کے سوا اسلامیات اور حکمت کی مکمل تعلیم دے کر آپ کے زرِ خالص کو کندن و پارس بنا دیا۔ جس کی درخشانی نے بہت جلد سارے عالم کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایسے شفیق اور بے مثل استاد کو کبھی نہ بھولے اور ولایت گئے تو ان کی یاد کی تڑپ ساتھ تھی اور ہندوستان آئے تو مولوی سید میر حسن کی عقیدت ومحبت ان کے دل کو گرمائے رہتی تھی۔آپ نے ولایت جانے سے قبل دعا کی تھی۔

وہ شمع بارگہ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھ کو
دعا یہ کر کہ خداوند آسمان و زمیں
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھ کو

جب علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کالج میں داخل ہونے لگے تو آپ کے والد مرحوم نے آپ سے عہد لیا تم تعلیمی زندگی میں کامیاب ہونے کے بعد اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دینا۔آپ اس عہد پر تادمِ مرگ قائم رہے۔ اور تمام عالم کو معلوم ہے کہ کس طرح آپ نے اسلام کی خدمت کی۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے ایف اے پاس کر کے لاہور آئے اور گورنمنٹ کالج میں بی اے میں داخل ہوئے۔ 1897ء میں بی اے میں بھی نمایاں کامیابی حاصل کی اور دو طلائی تمغے حاصل کر کے ہم عصروں پر فضیلت پائی۔اسی زمانہ میں مسٹر ٹامس آرنلڈ ایم اے او کالج علی گڑھ سے قطع تعلق کر کے گورنمنٹ کالج لاہور آگئے تھے۔ان کی فلسفہ دانی کی شہرت اور طبعی رجحان نے آپ کو آمادہ کیا اور آپ نے فلسفہ کے ایم اے

میں داخلہ کرالیا۔مسٹر آرنلڈ شاگرد کی قابلیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے آپ کو شاگردی سے ترقی دے کر احباب کے زمرہ میں شامل کرلیا۔آرنلڈ صاحب کہا کرتے تھے۔

"ایسا شاگرد استاد کو محقق اور محقق کو محقق تر بنا دیتا ہے۔"

1899ء میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ایم پاس کیا اور یونیورسٹی میں اول آنے کے باعث طلائی تمغہ کے مستحق قرار پائے۔ایم۔اے پاس کرنے کے بعد علامہ مرحوم کو اورینٹل کالج لاہور میں تاریخ اور فلسفہ کی پروفیسری مل گئی۔کچھ عرصہ بعد آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔اسی زمانہ میں آپ نے اردو میں سیاست مدن پر ایک کتاب علم الاقتصاد لکھی۔

جس طرح علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک ہونہار، ذہین طالب علم رہے تھے اسی طرح آپ استادی کے مرتبہ پر بھی ہر طرح لائق و فائق نظر آئے۔آپ کے شاگرد آپ کے لیکچروں کے گرویدہ اور آپ کے افسر آپ کے مداح تھے۔

تحصیل علم کے لئے ولایت روانگی:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ابتداء سے ہی تحصیل علم کا شوق تھا اور علمی ترقی کے ساتھ یہ ذوق بھی بڑھتا جاتا تھا چنانچہ آپ نے 1905ء میں ولایت کا سفر اختیار کیا۔کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ اخلاق کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد میونخ یونیورسٹی (جرمنی) سے فلسفہ ایران پر ایک تحقیقی عالمانہ مقالہ کے صلہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری پائی۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ولایت میں اسی تین سالہ قیام کے دوران بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا اور لندن کے اسکول آف پولٹیکل سائنس سے بھی سند حاصل کی۔جب آپ کا مقالہ ایران کا فلسفہ مابعد الطبیعات انگلستان میں شائع ہوا تو فضلائے یورپ پر آپ کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا اور ماہرین فن نے اس کتاب پر بہت عمدہ ریویو لکھے۔اس مقبولیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کو لیکچر دینے کے لیے مدعو کیا گیا چنانچہ آپ نے اسلام پر چھ لیکچر دیئے جنہوں نے آپ کی مذہبی اور فلسفیانہ معلومات کی دھوم مچادی۔

اسی زمانہ میں پروفیسر آرنلڈ نے چھ ماہ کی رخصت لی تو لندن یونیورسٹی نے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اس مدت کے لیے عربی پروفیسر مقرر کیا۔

وطن واپسی:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ تین سال تک یورپ میں رہ کر واپس لوٹے تو اس وقت آپ کی عمر 35 سال تھی۔

اہل اللہ سے ارادت اور مردان خدا سے عقیدت آپ میں بدرجہ غایت پائی جاتی تھی چنانچہ جس طرح جاتے وقت آپ، محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر عازم سفر ہوئے تھے۔اسی طرح ولایت سے واپسی پر بھی اول آپ دہلی آئے اور آستانہ شریف پر خاک بوس ہونے کے بعد لاہور روانہ ہوئے۔آپ 27 جولائی 1908ء کو شام کے وقت لاہور پہنچے تھے۔اسٹیشن پر اعزہ و احباب کے علاوہ قدر شناسوں کا ایک انبوہ کثیر جمع

تھا۔آپ کے اعزاز میں ایک شاندار پارٹی ترتیب دی گئی جس میں آپ کے شایانِ شان اہتمام کئے گئے تھے ایک دن قیام کے بعد آپ اپنے شہر سیالکوٹ چلے گئے۔

سفر یورپ نے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تشنگی علم کو ضرور قدرے سیراب کیا لیکن دیکھنے والوں کو حیرت تھی کہ مغرب زدگی کا کوئی اثر ان پر کیوں نظر نہیں آتا؟ سچ یہ ہے جس کی تربیت حبانِ نظر نے کی ہو وہ نمائشی باتوں اور فریب کاریوں سے کب متاثر ہو سکتا ہے؟

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی کو دیکھ جائیے۔وہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" پر عامل تھے "حکیمانِ فرنگ" سے انہوں نے "درسِ خرد" لیا اور اس کو "علم و نظر" کی کسوٹی پر کس کر اس کا میل دور کر دیا یہی وجہ ہے کہ سفر یورپ نے موصوف پر کوئی ناپسندیدہ اثر قائم نہ کیا۔آپ فرماتے ہیں۔

خرد افزود مرا درس حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبت صاحب نظراں

ولایت سے واپس آنے کے بعد علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ عرصہ پروفیسری کی ملازمت کرنے کے بعد اپنے عہدہ سے سبکدوشی حاصل کی اور بیرسٹری شروع کر دی۔جس کا سلسلہ 1934ء تک قائم رہا۔1934ء میں مستقل علالت کی بنا پر کنارہ کش ہو گئے اور بقیہ عمر گوشہ نشینی میں گزار دی۔پروفیسری سے کنارہ کش ہونے کے بعد بھی گورنمنٹ کالج سے آپ کا تعلق منقطع نہ ہو سکا اور آپ مختلف حیثیتوں میں اس درسگاہ سے متعلق رہے حتیٰ کہ 1909ء میں سال بھر کے لئے آپ فلسفہ کے پروفیسر کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔

عملی سیاست کا آغاز:

دراصل علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تمام زندگی سیاسی و معاشرتی اصلاح ہی میں گزری اور موصوف اپنے اشعار کے واسطہ سے اپنا پیغام اور اپنی تجاویز تمام عالم کو سناتے ہوئے اس عالم فانی سے چل بسے لیکن عملی طور پر آپ میدانِ سیاست سے دور نظر آتے تھے۔آپ نے خود ایک دوست کو لکھا تھا۔

یہ عقدہ ہائے سیاست تجھے مبارک
کہ فیضِ عشق سے ناخن مرا ہے سینہ خراش

1926ء سے آپ نے سیاسیات میں عملی حصہ بھی لینا شروع کر دیا۔احباب و فاکیش کے اصرار پر آپ Legestivelaty Council کی ممبری کے لئے کھڑے ہوئے۔لاہور کے گلی کوچوں میں آپ کی حمایت میں جلسے کئے گئے۔مختلف حلقوں نے آپ کی امداد کی اعلان کی۔دو مقتدر امیدواروں نے آپ کے حق میں اپنے نام واپس لے لیے۔اور جمہور عام و خاص نے ثابت کر دیا کہ وہ آپ کے مرتبہ کی قدر و منزلت سے آگاہ ہیں۔23 نومبر 1926ء کو انتخاب ہوا اور آپ بغیر کچھ خرچ کئے ہوئے اپنے حریف کے مقابلہ میں بے شمار ووٹوں سے منتخب ہو گئے۔

کونسل میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کیا اس کا تفصیلی تذکرہ ترک کرتا ہوں۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ آپ نے کونسل میں اپنے "کردار" سے اپنے ہی اس مقولہ کو غلط ثابت کر دکھایا کہ

اقبال بڑا اپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے
گفتار کا غازی بن تو گیا کردار کا غازی بن نہ سکا

اور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے زمانہ کو جتا دیا وہ جیسے گفتار کے غازی تھے ویسے ہی کردار کے بھی غازی نکلے۔ 1930ء میں آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ کی صدارت کی۔ اس کے بعد آپ مسلم کانفرنس کے صدر بنے۔ یہ زمانہ اسلامیانِ ہند کے حق میں بیحد نازک تھا۔ جن صاحبان کو اس دور کے حالات کی نزاکت سے واقفیت ہے وہی پورے طور پر اندازہ کر سکتے ہیں کہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کس دلیری اور مستعدی سے ایسے دشوار وقت میں قوم کی صحیح رہنمائی کی۔

1931ء میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہونے انگلستان گئے اور اسی سلسلہ میں آپ نے روم اور مصر کا سفر بھی کیا اور فلسطین کی مؤتمر اسلامی میں بھی شرکت کی۔ روم اور قاہرہ میں آپ نے مختلف ادبی و سیاسی انجمنوں کے اجلاسوں میں لیکچر دیئے جو بیحد پسند کئے گئے اور عام و خاص نے آپ کی قابلیت کا اعتراف کیا۔ 1936ء میں آپ نے تیسری گول میز کانگرنس میں شرکت کرنے کے لئے پھر انگلستان کا سفر کیا اور وہاں سے واپسی میں ہسپانیہ جا کر آثارِ عہدِ اسلام کی سیر کی۔

ادبی سرگرمیاں:

دسمبر 1928ء میں اسلام پر چند لیکچر دینے کے لئے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا گیا۔ آپ دسمبر کے آخری ایام میں مدراس پہنچے۔ تین دن وہاں قیام رہا۔ مدراس کی انجمن ترقی اردو اور ہندی پر چار سبھا اور دیگر اداروں نے سپاسنامے پیش کئے۔ مذہب، فلسفہ اور سیاست کے اہل الرائے حضرات سے طویل مکالمات رہے۔ 9 جنوری 1929ء کو آپ بنگلور پہنچے تو اسٹیشن پر استقبال کے لیے ایک جم غفیر موجود تھا۔ مسلم لائبریری نے ایک عظیم الشان جلسہ میں جس کے صدر میسور کے دیوان سر مرزا اسماعیل تھے سپاس نامہ پیش کیا۔ ڈاکٹر سبرائن وزیر تعلیم میسور کی زیرِ صدارت ایک اور جلسہ علامہ کے اعزاز میں منعقد کیا گیا۔ جس میں بنگلور کے تمام معززین و اہلِ علم جمع تھے۔

مہاراجہ میسور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو میسور آنے کی دعوت دے چکے تھے چنانچہ آپ 10 جنوری کو میسور تشریف لے گئے۔ میسور یونیورسٹی نے آپ کے لیکچر کے لیے زبردست جلسہ منعقد کیا اور ٹاؤن ہال میں مسلمانانِ میسور کی جانب سے ایڈریس پیش کیا گیا۔ میسور یونیورسٹی کے ایک غیر مسلم پروفیسر نے تقریر میں کہا۔

"ڈاکٹر سر اقبال کو مسلمان لاکھ اپنا کہیں مگر وہ ہم سب کے ہیں وہ کسی ایک مذہب یا جماعت کی ملک نہیں ہو سکتے اگر مسلمانوں کو یہ ناز ہے کہ اقبال ان کا ہم مذہب ہے تو ہم کو بھی یہ فخر ہے

کہ اقبال ہندوستانی ہے۔"

اسی سفر میں علامہ سلطان حیدر علی اور ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر بھی باریاب ہوئے۔اس سیاحت کے بعد آپ حیدر آباد گئے۔آپ 14 جنوری کو حیدر آباد پہنچے۔اسٹیشن پر معززین حیدر آباد اور یونیورسٹی کے طلبا اور عوام الناس کا زبردست ہجوم تھا اور بچے ایک قطار میں کھڑے ہوئے اقبال کا قومی ترانہ گا رہے تھے۔اسٹیشن پر آپ کو معلوم ہوا کہ وہ خاص حضور نظام کے مہمان ہیں چنانچہ آپ شاہی مہمان خانہ میں فروکش ہوئے اور 18 جنوری کی صبح کو گیارہ بجے حضور نظام کی خدمت میں مشرف ہوئے۔

مدراس میسور اور حیدر آباد میں ان چھ لیکچروں کا سلسلہ ختم ہوا جن کے لیے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دکن کا سفر کیا تھا۔یہ تقریریں کتابی صورت میں شائع ہو چکی ہیں اور انگریزی سے اردو میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

سر کا خطاب:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی مثنویوں میں سے بعض کا انگریزی میں ترجمہ شائع ہوا۔نیز یورپ میں آپ کے درس عمل پر مختلف مضامین شائع ہوئے۔تو مغربی ممالک میں آپ کی علمی قابلیت کا سکہ جم گیا چنانچہ حکومت برطانیہ نے 1922ء میں آپ کو نائٹ (سر) کا خطاب پیش کیا یہاں آپ کی فراخ حوصلگی اور بے نیازی کا یہ لطیفہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب آپ کو سر کا خطاب پیش کیا گیا۔تو آپ نے کہا۔

"میں خطاب صرف اس صورت میں قبول کر سکتا ہوں جب کہ میرے استاد کو اول شمس العلما کا خطاب دے دیا جائے۔"

گورنمنٹ کو اس شرط کے ماننے میں تامل تھا اس لئے کہ علامہ سید میر حسن مرحوم باہمہ علم و فضل کسی غیر معمولی شہرت کے مالک نہ تھے لیکن علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرط پوری کرالی اور اپنی نائٹ ہڈ کے ساتھ مولوی صاحب کو بھی شمس العلما بنوا دیا۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اس اعزاز پر جو عظیم الشان محفل مقبرہ جہانگیر، شاہدرہ (لاہور) میں باشندگانِ لاہور کی جانب سے دی گئی تھی وہ اس امر کا بین ثبوت ہے کہ آپ ہندوؤں اور سکھوں میں بھی اسی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے جو ان کو مسلمانوں میں حاصل تھی۔اس پارٹی کے داعیوں میں تینوں قوموں کے افراد شامل تھے۔اس شاندار دعوت میں تمام عمائد پنجاب لاہور و بیرونجات سے شریک ہوئے تھے اور سرکاری و غیر سرکاری حلقوں کے تمام اکابر ہندوستان کے اس یکتا قومی شاعر کو خراج تحسین و عقیدت پیش کرنے کے لیے جمع تھے۔اس اجتماع میں آپ نے انگریزی میں تقریر کی۔اس تقریر سے پہلی دفعہ لوگوں کو آپ کی تصنیف پیام مشرق کا علم ہوا۔

سفر حجاز کی تمنا:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عرصہ سے آرزو تھی کہ حجاز جائیں اور فریضہ حج اور زیارت حرمین شریفین سے

مشرف ہوں۔ چند سال سے ہر مرتبہ تیاری کرتے تھے مگر علالت کی بنا پر سفر کی نوبت نہ آتی تھی۔ آپ کی آخری تصنیف "ارمغانِ حجاز" ہے جو ابھی شائع نہیں ہوئی تھی اس کی بابت کہا کرتے تھے۔

"اس کتاب میں چند خلا ہیں جو سفرِ حجاز میں پورے کئے جائیں گے۔"

لیکن افسوس کہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہ حسرت دل ہی میں لے گئے۔ انتقال سے چند روز قبل ایک بار آپ نے فرمایا۔

"سہارن پور سے ایک صاحب نے خط لکھا ہے کہ میں حجاز گیا تھا اور طواف میں صدق دل سے دعا کی تھی کہ اللہ عزوجل آپ کو بھی حجاز پہنچائے مجھے یقین ہے کہ یہ دعا مقبول ہو چکی ہے۔"

پھر کہنے لگے۔

"بظاہر میرا حجاز جانا ناممکن معلوم ہوتا ہے جبکہ یہ صاحب لکھتے ہیں دعا منظور ہو چکی ہے دیکھئے کیا صورت پیش آتی ہے۔"

ضعفِ بصارت کا عارضہ لاحق ہونا:

کچھ عرصہ سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ میں موتیا بند کی تکلیف تھی۔ پانی اتر رہا تھا مگر آنکھ اس قابل نہ تھی کہ آپریشن کیا جا سکے۔ ڈاکٹروں کو موتیا بند کے پختہ ہو جانے کا انتظار تھا۔ چند ماہ سے تو یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ بمشکل آنے والوں کو پہچان سکتے تھے۔ عموماً حاضرین کو ضرورت ہوتی کہ وہ نام بتائیں۔

مرضِ وصال میں مبتلا ہونا:

تین برس سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ بیمار چلے آ رہے تھے۔ ابتداء میں سنگ گردہ کی تکلیف تھی جس میں حکیم نابینا صاحب کے علاج سے فائدہ ہو گیا تھا۔ ایک بار آپ عید کی نماز پڑھ کر واپس آئے تو گرم دودھ میں سویاں ملا کر کھائیں اس سے عجب اثر پیدا ہوا کہ آواز بیٹھ گئی۔ لاکھ ڈاکٹری علاج کئے مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر حکیم نابینا صاحب کی دوا سے اس شکایت میں کافی تخفیف ہو گئی۔ درد گردہ اور نقرس کے دورے ہوتے رہتے تھے۔ 1935ء میں آپ کی رفیقہ حیات آپ سے جدا ہو گئیں۔ ان کی رحلت کا آپ کو بے حد صدمہ ہوا اور اس سانحہ نے صحت پر اور بھی برا اثر ڈالا۔ اس کے بعد کھانسی، دم کشی، ضعف قلب کی تکالیف مستقل طور پر رہنے لگیں۔ تھوڑا سا چلنے پر بھی سانس پھول جاتا تھا۔ رئیس الاطبا حکیم محمد حسن صاحب قرشی جو آپ کے مخلص احباب میں سے تھے اور جن سے گذشتہ ایام میں آپ اکثر رجوع کیا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ:

"گذشتہ دسمبر سے ان کی صحت زیادہ گرنا شروع ہوئی۔ سانس کے دورے ہر رات کو ہونے لگے۔ ضعف قلب کی شکایت بھی ہو جاتی تھی۔ اور کبھی کبھی بائیں شانے میں درد بھی ہو جاتا تھا۔ درحقیقت ان کا قلب عرصہ سے ماؤف تھا اور اب تدریجاً پھیل گیا تھا۔ اس

کے ساتھ جگر بھی بڑھ گیا۔ اور پاؤں پر ورم بھی آ گیا تھا۔ علامہ صاحب کے مرض کی حالت میں مدوجزر ہوتا رہتا تھا مگر یونانی علاج سے انہیں کافی فائدہ ہو گیا تھا اور درمیان میں تو ان کی حالت امید افزا ہو گئی تھی تاہم اندرونی مرض کے علامت کم و بیش باقی رہتے تھے۔ اسی عرصہ میں مجھے پنجاب طبی بورڈ کے سلسلہ میں راولپنڈی جانا پڑا۔ میرے جانے کے دو روز بعد علامہ صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی اور بائیں پہلو پر ورم آ گیا۔ انہوں نے مجھے واپس آنے کے لیے تار دیا مگر میں دوسرے روز پہنچ نہ سکا۔ میرے پہنچنے سے پہلے لاہور کے معروف ترین ڈاکٹروں کا ایک بورڈ علاج شروع کر چکا تھا جس سے دو روز کچھ فائدہ محسوس ہوا مگر انیس اپریل کو حالت خراب ہونی شروع ہو گئی۔ تھوک میں خون آنے لگا۔ نبض بہت خفیف ہو چکی تھی۔ شام کو جب میں نے اور تین چار ڈاکٹروں نے دیکھا تو حالت اطمینان بخش نہیں تھی تاہم حواس اسی طرح صحیح و سلیم تھے۔ اور ظاہری حالت میں کوئی خاص تغیر نہیں معلوم ہوتا تھا۔ شفیع صاحب ڈاکٹروں کی تجویز کی ہوئی دوا لے آئے اور علامہ صاحب نے ایک خوراک پی لی۔ پینے کے بعد بے چینی محسوس کی اور فرمانے لگے کہ مجھے متلی ہو رہی ہے میں قے کرنا چاہتا ہوں۔ چونکہ خون آ رہا تھا اور خطرہ تھا کہ قے سے رگ نہ پھٹ جائے میں نے گرم پانی اور نمک کے غرغرے کرنے اور دانہ الائچی چبانے کے لیے کہا۔ اس سے بے چینی کم ہوئی مگر فرمانے لگے کہ ابھی متلی باقی ہے۔ پھر میں نے اکسیر عنبری دی تو اس سے متلی رفع ہو گئی۔ اس کے بعد ایک دوسری ڈاکٹری دوا پینی تھی مگر اس سے انکار کیا اور فرمانے لگے کہ ڈاکٹری دوائیں خلاف انسانیت ہیں کیونکہ ان میں مریض کے ذوق کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ پھر فرمایا کہ میڈیکل سائنس زندگی کی سائنس معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ناکام ہے۔ ڈاکٹر قیوم صاحب نے کہا کہ دوسری دوا خواب آور ہے۔ اس لئے اس کا پینا ضروری ہے۔ فرمانے لگے کہ مجھے ان دونوں سے نیند نہیں آتی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس میں شانہ کے درد کو روکنے والے اجزاء بھی ہیں تو فرمایا کہ اگر اس مکسچر میں دافع درد اجزا کو الگ کر کے دے سکیں تو پی لونگا کیونکہ خواب آور اجزاء سے مجھے نیند نہیں آتی۔"

حسن اخلاق:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نہایت عمدہ اخلاق سے متصف تھے اور نہایت خلیق اور ملنسار تھے۔ آپ سے ملاقات کے لئے آنے والوں کو انتظار کی زحمت اٹھانا نہ پڑتی تھی۔ آپ آخری عمر میں اگرچہ دمہ کے مریض تھے مگر پھر بھی ہر ملاقات کرنے والے سے نہایت خندہ پیشانی سے ملاقات کرتے تھے۔ آپ کے دوست کہتے ہیں۔

"ہم نے آپ کو ہر وقت مسکراتے دیکھا اور آپ کے چہرہ پر کبھی غصہ اور ناگواری کے آثار ہم نے نہیں دیکھے۔ آپ ضبط و تحمل کا مظاہرہ کرتے تھے اور کسی بھی ناگوار بات یا حرکت پر انتہائی ضبط کا مظاہرہ کرتے تھے۔ آپ عزم مصمم، بلند حوصلہ، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے حامل تھے۔ آپ جس کام کا ارادہ فرما لیتے اسے تکمیل تک پہنچائے بغیر نہ رہتے تھے۔ آپ کو جھوٹ سے بہت نفرت تھی اور صداقت وحق گوئی آپ کی خود کی بھی پہچان تھی اور آپ اسے پسند بھی کرتے تھے۔ راہ حق و جادۂ صدق سے کبھی پیچھے نہ ہٹے اور آپ کی شخصیت تسلیم و رضا کا بہترین نمونہ تھی۔ آپ اگرچہ شہرت کی بلندیوں پر تھے مگر پھر بھی تکبر، ریا، جاہ پسندی اور ہوسِ دنیا کا کوئی نام و نشان آپ کی شخصیت میں نہیں پایا جاتا تھا۔ آپ متواضع تھے اور انکساری آپ کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ آپ کو نمود و نمائش سے سخت نفرت تھی اس لئے نمود و نمائش سے گریز کرتے تھے۔"

عجز و انکساری:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں عجز و انکساری کا عنصر نمایاں تھا اور آپ انتہائی سادہ مزاج کے حامل تھے۔ آپ کی طبیعت کی عجز و انکساری ذیل کے خط سے ظاہر ہوتی ہے جو آپ نے "اقبال ملٹری اسکول" قائم کرنے کی تجویز کے جواب میں تحریر کیا اور اس خط کو مسلم لائبریری خورجہ کے تعزیتی جلسہ میں اقبال محمد خاں صاحب نے جو میجر سعید محمد خاں رئیس جمال پور کے فرزند تھے انہوں نے پڑھ کر سنایا۔ خط کا متن ملاحظہ ہو۔

محترمی میجر صاحب!

ایک معمولی شاعر کے نام سے فوجی اسکول کو موسوم کرنا کچھ زیادہ موزوں معلوم نہیں ہوتا میں تجویز کرتا ہوں کہ آپ اس فوجی اسکول کا نام "ٹیپو فوجی اسکول" رکھیں۔ ٹیپو ہندوستان کا آخری مسلمان سپاہی تھا جس کو ہندوستان کے مسلمانوں نے اس قدر جلد فراموش کرنے میں بڑی ناانصافی سے کام لیا ہے۔ جنوبی ہندوستان میں جیسا کہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے اس عالی مرتبت مسلمان سپاہی کی قبر زیادہ زندگی رکھتی ہے بہ نسبت ہم جیسے لوگوں کے جو بظاہر زندہ ہیں یا اپنے آپ کو زندہ ظاہر کر کے لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

نیاز مند

محمد اقبال

مزاج کی سادگی:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں سادگی تھی اور آپ کے پاس اعلیٰ حکام، اربابِ علم و فن آتے تھے مگر

آپ کے ہاں موجود گھریلو سامان میں کسی قسم کی آرائش نہ تھی اور نہ ہی گھر میں کسی قسم کا قیمتی سامان موجود تھا۔ آپ بالعموم چارپائی پر تکیہ لگائے حقہ پیتے رہتے تھے اور جسم پر بنیان اور تہبند ہوتا تھا۔ آپ کے دروازہ پر کوئی دربان وغیرہ نہ تھا اس لئے ہر قسم کے لوگوں کا آپ سے ملاقات کے لئے آنا آسان تھا اور جب بھی کوئی آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تو اس کی رسائی آسانی سے آپ تک ہو جاتی تھی۔ آپ جب بھی کسی سے ملاقات کرتے تھے تو چارپائی پر چارزانو ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور کبھی کبھار تکیہ کے سہارے ہی کروٹ لیٹے ہوئے گفتگو کرتے تھے۔

قناعت پسندی:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی ذات کے لئے کسی شے کی ضرورت نہ تھی۔ بے نیازی، قناعت اور توکل آپ کا خاصہ تھا۔ باوجودیکہ آپ کے مزاج میں نفاست پسندی بدرجہ اتم موجود تھی اور لطیف وخوش ذائقہ غذائیں مرغوب تھیں مگر آپ کے ملازم خاص علی بخش کا بیان ہے۔

"اب تو میں خدا کے فضل سے اچھا خاصہ باورچی ہوں لیکن اس زمانہ میں مجھے کچھ واجبی ہی کھانا پکانا آتا تھا پھر بھی جیسا کچھ پکا کر سامنے لا رکھتا ڈاکٹر صاحب صبر وشکر کر کے کھا لیتے تھے۔"

غذا:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نفیس مزاج اور لطافت پسند تھے اس لئے آپ کو غذائیں بھی اچھی اور خوش ذائقہ ہی پسند تھیں۔ کئی برس سے آپ دوپہر کو صرف ایک وقت کھانا کھایا کرتے تھے اور رات کو اکثر کچھ نہ کھاتے۔ اگر خواہش ہوتی تو کوئی ہلکی سی غذا مثلاً دودھ میں دلیہ ڈال کر کھا لیتے۔ جاڑوں میں رات کے وقت سبز چائے نمک ملا کر ضرور پیتے تھے۔

رئیس الاطباء حکیم محمد حسن صاحب قرشی پرنسپل طبیہ کالج لاہور فرماتے ہیں۔

"ڈاکٹر صاحب کو پلاؤ اور کباب بیحد مرغوب تھے اور اسے وہ اسلامی غذا کہا کرتے تھے (مرض الموت میں) ان کا بیحد اصرار تھا اور جب لطائف الحیل سے میں انہیں ٹالتا رہا تو راولپنڈی جانے سے پہلے دو تین مرتبہ اصرار کیا کہ ایک روز آپ کی دعوت یہاں ہو اور آپ میرے سامنے پلاؤ کھائیں تاکہ اگر میں پلاؤ کھا نہیں سکتا تو کم از کم کھاتے دیکھ لوں۔"

حکیم محمد حسن صاحب اپنا اور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مکالمہ یوں بیان کرتے ہیں۔

"(مرض الموت میں) غذا کے متعلق ان کی حس اور بھی لطیف ہو چکی تھی۔ تقریباً ہر دوسرے تیسرے روز اس امر کی خواہش کرتے تھے کہ ان کی غذا کی فہرست میں اضافہ کیا جائے۔ اگر پلاؤ کی اجازت نہیں ہے تو کھچڑی میں کیا حرج ہے یہ تو سادہ غذا ہے۔ حکیم صاحب نے کہا:

آپ ایک دو روز کھچڑی کھا لیجئے۔ علامہ نے فرمایا: ہاں! تو کھچڑی بھنی ہوئی ہونی چاہئے جس میں گھی کافی ہو۔ حکیم صاحب بولے: گھی کم ہونا چاہئے کیونکہ جگر بڑھا ہوا ہے۔ علامہ: تو پھر کھچڑی میں کیا لذت ہوگی؟ اچھا کم از کم اس میں دہی تو ملا لیا جائے۔ حکیم صاحب گویا ہوئے: مگر آپ کو کھانسی اور تولید بلغم کی شکایت ہے جس میں دہی مضر ہے۔ آخر علامہ صاحب نے ہار مان لی اور فرمایا: تو پھر ایسی کھچڑی کھانے سے نہ کھانا اچھا ہے۔"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ بدذائقہ دوا تک پسند نہ کرتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ دوا خوش ذائقہ، کم مقدار اور زود اثر ہو۔ اسی لئے آپ حکیم نابینا صاحب کی دواؤں کو بہت پسند کرتے تھے۔ مولانا مہر صاحب اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

"حضرت علامہ ڈاکٹروں کی دواؤں کو ویسے بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ کہا کرتے تھے کہ ان کا ذائقہ اچھا نہیں ہوتا۔ کرنل امیر چند صاحب کی تجویز کردہ دوا کا ذائقہ شاید بہت برا تھا۔ اس کے پیتے ہی طبیعت سخت خراب ہوگئی اور حضرت مرحوم نے یہاں تک فرما دیا کہ میں اب زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ جب عرض کیا گیا کہ حضرت! اپنے لئے نہیں تو دوسروں کے لئے تو آپ کا زندہ رہنا ضروری ہے؟ تو جواب میں ارشاد ہوا کہ میں اس دوا کے استعمال پر زندگی کا خواہاں نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد حکیم احمد حسن صاحب قرشی نے کوئی دوا کھلائی جس سے منہ کا ذائقہ اچھا ہوگیا۔"

پھلوں میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو انگور اور آم سب سے زیادہ مرغوب تھے۔ آموں کی فصل میں احباب باہر سے آموں کے پارسل بھیجتے۔ مقامی دوست دعوت آم خوری دیتے اور آپ احباب کے ان تحفوں اور دعوتوں کو بہت خوشی کے ساتھ قبول کرتے اور کہا کرتے تھے۔

"میوے ترقی پاتے پاتے انگور بن گئے اور پھر بھی جو کمی باقی رہ گئی وہ آموں نے دور کر دی۔"

غیرت مندی:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ غیرت مند تھے اور آپ کے کلام میں بھی مسلمانوں کی غیرت کا ذکر ملتا ہے۔ آپ کی تمام عمر فکر معاش میں گزری مگر آپ میں غیرت مندی کا مادہ بدرجہ اُتم پایا جاتا تھا اس لئے کبھی آپ نے شیشہ غیرت پر ٹھیس نہ آنے دی۔ آپ فقر غیور کے ساتھ فقر مستغنی کا بھی نمونہ تھے۔ ایک مرتبہ کسی ریاست کے وزیر نے آپ کو ایک ہزار روپیہ کا چیک بھیجا۔ یہ روپیہ ریاست کے کسی ایسے فنڈ سے بھیجا گیا تھا جس کا لینا آپ کی غیرت کسی طرح منظور نہ کر سکتی تھی چنانچہ آپ نے چیک واپس کر دیا اور جواباً یہ شعر لکھ بھیجے۔

تھا یہ فرمانِ الٰہی کہ شکوہ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر

حسن تدبیر سے دے آنی وفانی کو ثبات
میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سر دوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانندِ نبات
غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات

عزلت نشینی:

جب سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے وکالت کم کر دی تھی باہر آنا جانا بھی کم ہو گیا تھا۔ کبھی کوئی مقدمہ ہوتا تو ہائی کورٹ چلے جاتے ورنہ کچہری جانا ضروری نہ سمجھتے تھے۔ جب سے آواز بیٹھ جانے کی شکایت پیدا ہوئی آپ نے عدالت جانا بالکل بند کر دیا تھا۔ کوئی شدید ضرورت ہوتی تو گھر سے باہر نکلتے تھے۔ اسی سال کی ابتداء میں جب نواب بہاولپور لاہور آئے اور انہوں نے آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ نواب بہاولپور کی ملاقات اور قیام کی بابت مشورہ دینے کے لیے باہر آئے تھے اور غالباً اس واقعہ کے بعد سے آپ پھر جاوید منزل کی حدود سے کبھی باہر نہ نکلے۔

ایک درویش سے ملاقات کا احوال:

ایک مرتبہ ایک درویش علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا۔ آپ نے اس سے دعا کی درخواست کی۔ اس نے کہا۔

"دولت چاہتے ہو؟"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً کہا۔

"میں درویش ہوں دولت کی ہوس نہیں۔"

اس نے کہا۔

"عزت وجاہ مانگتے ہو؟"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

"وہ بھی خدا نے کافی بخش دی ہے۔"

درویش نے پوچھا۔

"تو کیا خدا سے ملنا چاہتے ہو؟"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"سائیں جی! کیا کہہ رہے ہو؟ میں بندہ وہ خدا، بندہ خدا سے کیونکر مل سکتا ہے۔ قطرہ دریا میں

مل جائے تو قطرہ نہیں رہتا۔ میں قطرہ کی حیثیت میں قائم رہ کر دریا بننا چاہتا ہوں۔"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی بات سن کر ان درویش پر خاص کیفیت طاری ہوگئی اور کہنے لگے۔

"جیسا سنا تھا ویسا پایا، تو تو خود آگاہِ راز ہے تجھے کسی کی دعا کی کیا ضرورت ہے؟"

عمل سعی کا پیغام دینا:

ایک مرتبہ ایک بے روزگار جوان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی ناکامی و نامرادی، بدقسمتی و بے روزگاری کا دکھڑا سنا کر رونے لگا۔ آپ اس کو تسکین دیتے رہے اور ثابت قدمی و حوصلہ مندی کا سبق سکھاتے ہوئے فرمایا۔

"انسان دنیا میں عمل کے لئے پیدا کیا گیا ہے قرآن شریف میں جہاں یہ آیا ہے۔ کہ جن و انس عبادت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں وہاں عبادت سے بھی عمل ہی مراد ہے۔ ہر انسان ادنیٰ پیمانہ پر خود ایک (لحاظ سے) خالق ہے (جبکہ اللہ احسن الخالقین ہے اسی لئے خالقین جمع ہے) اور ان تخلیقی قوتوں کا ضائع کرنے کا نام گناہ ہے۔ تم کامیابی اور ناکامی پر نظر نہ کرو اور اپنے مقصد تخلیق کو جانو اور جدو جہد کئے جاؤ۔"

بلوچ وفد کو نصیحت:۔

ایک مرتبہ بلوچیوں کا ایک وفد علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں آیا۔ مختلف سیاسی معاملات پر دیر تک گفت و شنید ہوتی رہی۔ وفد کے ایک ممبر نے کہا۔

"آپ کی تعلیمات نے مدت کی سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر دیا اور آپ نے انسانیت و اسلام کے تمام اسرار و رموز ہم کو سکھا دیئے لیکن ہمیں شکایت ہے کہ آپ نے خود نمونہ عمل پیش نہیں کیا۔"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"کیا یہ میرا عمل نہیں ہے کہ میں نے قوم کو بیدار کر دیا ہے اور تمہارے سامنے عمل کی شاہراہ پیش کر دی ہے۔ میرا کام ہے درس دینا، آگے یہ تمہارے ذمہ ہے کہ ان تعلیمات پر عمل کرو اور میدانِ زندگی میں جہاد کرتے رہو۔"

پھر آپ نے کہا۔

"دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں کہ کسی شخص نے خود ہی کوئی اصولی نظریہ قائم کیا ہو اور خود ہی اس پر عمل کر کے دکھایا ہو؟ کیا آپ تاریخ عالم میں کوئی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں۔"

پھر کچھ دیر سکوت کر کے خود ہی اپنے سوال کا جواب دیا اور فرمانے لگے۔

"البتہ دنیا میں صرف ایک ہی ایسی ہستی گزری ہے جس نے ایک درس اور پیغام پیش کیا اور پھر خود ہی اس پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ آپ لوگ جانتے ہیں وہ شخصیت کون تھی؟ وہ ذات حضرت محمد مصطفی ﷺ کی تھی۔"

طلباء کو نصیحت:

مولوی محمد عظیم الحق جنیدی (اسلامیہ ہائی سکول بریلی) فرماتے ہیں میں 34---1933ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تعلیم پاتا تھا۔ دسمبر 1933ء کے پہلے ہفتہ میں یونیورسٹی ٹریننگ کالج کے طلباء تعلیمی تجربات کے مطالعہ کے لئے ہم لاہور گئے تھے۔ اسی سلسلہ میں شاعرِ مشرق، ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ؒ کی قدم بوسی کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ اسلامیہ کالج کے بورڈنگ سے جس وقت ہم لوگ آپ سے شرفِ نیاز حاصل کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو ہمارے قلوب میں متضاد جذبات موجزن تھے۔ ہم سے یہ کہا گیا تھا یہ سعادت ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہوتی اور اکثر نگاہِ شوق ناکام ہی واپس آتی ہے۔ اس کا تصور کر کے جب اپنی بے بضاعتی پر غور کرتے تو اس کا یقین ہو جاتا تھا کہ ہمارے نصیب ایسے کہاں کہ شرفِ باریابی حاصل ہو۔ بہر حال امید و بیم کا یہ تکلیف دہ احساس دل میں لئے ہوئے روانہ ہوئے۔ نگاہیں بے تابانہ سڑک کے دونوں طرف منزلِ مقصود کی متلاشی تھیں۔ خیال تھا کہ کوئی عالیشان کوٹھی ہوگی، خوشنما چمن، سرسبز روشیں، نظر فریب کیاریاں اور رنگ برنگ کے پھول اس کی زینت ہوں گے؟

مولوی محمد عظیم الحق جنیدی فرماتے ہیں ایک دفعہ جو دائیں طرف نگاہ اٹھی تو ایک بوسیدہ سے پھاٹک پر محمد اقبال بیرسٹر کا سائن بورڈ آویزاں نظر آیا۔ اور اس سے متصل ایک لوہار کی دوکان تھی۔ مکان اور اس کے غیر شاعرانہ ماحول کو دیکھ کر ایک کیفیت سی طاری ہوگئی۔ مکان کے اندر دو سرخ و سپید بچے اینٹوں کے وکٹ بنائے گیند بلا کھیلنے میں مصروف تھے جنہوں نے اپنی مشغولیت میں ہماری طرف توجہ بھی نہ کی۔ مکان اندر سے اپنے مکین کی بے نیازی کا زبانِ حال سے گلہ کر رہا تھا۔ ایک ملازم کو تعارفی خط دیا۔ جسے لے کر وہ آپ کے کمرے میں گیا۔ اس کے جانے کے بعد ہماری وہی کیفیت تھی جو نامہ بر کی رخصت کے وقت ایک ہجراں نصیب بدبخت عاشق کی ہوتی ہے۔ ابھی ہم اسی کشمکش میں مبتلا تھے کہ آدمی واپس آیا اور یہ مژدہ جانفزا لایا کہ آپ ملاقات کے لئے تیار ہیں۔ ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔ ایک وجیہہ سرخ و سپید فلسفی شاعر جس کی صورت سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ قوم کی تباہ حالت اور انسانیت کی پستی کو دیکھ کر بے چین ہے، چادر اوڑھے ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ سلام کیا اور مصافحہ شروع ہوا۔ آپ نے جوش اور خلوص سے مصافحہ کیا۔ اس سے اسلامی اخوت کی شان ظاہر ہوتی تھی۔ ہم سب خاموش بیٹھ گئے۔ آپ بھی خاموش تھے۔ ہم نے کمرے پر نگاہ ڈالی تو جابجا کتابوں کے ڈھیر تھے۔ کچھ کتابیں کھلی ہوئی تھیں۔ کچھ بے ترتیب پڑی تھیں۔ فرش کا قالین، کرسیاں کمرے کی دیواریں اور صرف دو تصاویر جن میں ایک خود علامہ کی تھی اس کی شاہد تھیں کہ ان کا مالک ظاہر پرستی سے متنفر ہے اور جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری کا قائل نہیں۔ آپ نے خود ہی مہرِ سکوت توڑا اور دریافت فرمایا کہ ہم نے تعلیمی کام کیوں پسند کیا ہے؟ آپ جیسے شخص کو اس کا جواب دیتے ہوئے ہم

شخص نے تامل کیا۔ آخر آپ نے خود ہندوستان کے طریقہ تعلیم اور اس کے مضر اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔

"ہماری تعلیم دماغی ترقی کے لیے کوئی ذریعہ مہیا نہیں کرتی اور نہ وسیع النظر بناتی ہے۔ ہر علم کی تعلیم اس قدر ناقص دی جاتی ہے۔ کہ ہم اس علم سے متعارف بھی نہیں ہو سکتے۔ روحانیت کی طرف ترغیب تو کیا ہوتی مذہب اور ہم سے دور ہو جاتا ہے۔"

مولوی محمد عظیم الحق جنیدی فرماتے ہیں اس قدر گفتگو نے ہماری ہمتوں کو بلند کر دیا تھا چنانچہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی گئی کہ وہ ہمیں اردو میں اپنا پیغام دیں اور ایک بیاض اور قلم پیش کیا گیا۔ آپ نے مسکرا کرلے لیا اور فکر میں سرنگوں ہو گئے اور چند منٹ کے بعد مندرجہ ذیل شعر بیاض میں تحریر فرمایا۔

صحبت پیر روم سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم نکتہ رس، ایک کلیم سربکف

مولوی محمد عظیم الحق جنیدی فرماتے ہیں وقت زیادہ گزر چلا تھا اس لئے اجازت طلب کی گئی۔ اس مختصر صحبت میں ہم میں سے ہر شخص پر ایک بے خودی کی سی کیفیت طاری رہی۔ ایک سحر تھا جو ہم کو بے خود بنائے رہا۔ زندگی کے چند لمحات جو ایسی جلیل القدر ہستی کی صحبت میں گزرے قابل صد فخر و انبساط ہیں۔

عشق قرآن:

رئیس الاطباء حکیم محمد حسن صاحب قرشی لکھتے ہیں۔

"قرآن مجید سے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو بیحد شغف تھا۔ آپ بچپن سے بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے کے عادی تھے۔ قرآن مجید پڑھتے ہوئے وہ بے حد متاثر معلوم ہوتے تھے۔ آواز بیٹھ جانے کا آپ کو سب سے زیادہ قلق یہ تھا کہ آپ قرآن مجید بلند آواز سے نہیں پڑھ سکتے تھے۔ بیماری کے دنوں میں بھی کبھی کسی نے قرآن مجید کو خوش الحانی سے پڑھا تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے اور آپ پر لرزش طاری ہو گئی۔"

عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کا مفصل مطالعہ کر رکھا تھا اور آپ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات مجموعہ خصائل ظاہر و باطن ہے اور تمام حقیقت و مجاز کا سرچشمہ ہے۔ آپ کا کلام بھی اس کی گواہی دیتا ہے اور آپ ببانگ دہل یہ اعلان کرتے ہیں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت میں اس قدر سوز و گداز تھا اور حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر سرشار تھے

کہ جب بھی حضور نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک سنتے تو بے قرار ہو جاتے تھے اور دیر تک آنسو بہاتے رہتے تھے۔ اگر کبھی سیرت رسول اللہ ﷺ پر تقریر فرماتے تو ایسی عام فہم اور سیر حاصل باتیں کرتے کہ ہر موافق و مخالف گرویدہ ہو جاتا۔ آپ کے سامنے کسی نے ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں نامناسب الفاظ استعمال کئے تو آپ نے اسے محفل سے نکلوا دیا۔

اسلام ذات برادری سے پاک ہے:

ایک مرتبہ طلباء کی ایک جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

"میں آپ کو صرف ایک نصیحت کرتا ہوں اور آپ میری رائے کا عام شہرہ دے دیجئے۔ ہر ہندوستانی مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ذات پات کی لعنت کو یکسر ترک کر دے۔ آپ کی ذات صرف اسلام ہے آپ کو چاہئے کہ اس امر پر اصرار کریں کہ ہماری ذات صرف مسلمان ہے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح ہر مسلمان کو خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو بیکار نہ رہنا چاہئے اور اپنے دست و بازو کی امداد سے کمانے میں سعی کرنا چاہئے۔"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ طلوعِ اسلام میں کہتے ہیں۔

بتانِ رنگ و بُو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ افغانی نہ ایرانی

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش:

ایک مرتبہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کسی محفل میں تشریف فرما تھے کہ دورانِ گفتگو افسانہ نویسی کا تذکرہ چھڑ گیا۔ آپ نے فرمایا۔

"افسانوں کی نفسیاتی پہلو کے لطف کا میں ضرور قائل ہوں لیکن اگر ان کی جگہ ایسی شے پیش کی جائے جو افسانے کا افسانہ ہو اور سبق کا سبق تو بہتر ہوگا۔ اسلام کے اولو العزم فرزند ایسے ایسے کارنامے انجام دے چکے ہیں کہ ان کا تذکرہ بہتر سے بہتر افسانے سے زیادہ دلچسپ ہے۔ میری مدت سے خواہش ہے کہ کوئی ادیب یا مورخ اس سلسلہ کو شروع کرے۔ تاریخِ اسلام میں اس کے لیے بہت مواد موجود ہے۔ صوفیائے اسلام، علمائے اسلام، مجاہدین اسلام، شعرائے اسلام، فلسفیانِ اسلام وغیرہ ہر عنوان پر ایک دلچسپ تذکرہ ترتیب دیا جا سکتا ہے۔"

(علامہ اقبال کی اس خواہش کو بھی ہمارے ممدوح نے مختلف واقعات پہ مشتمل پچیس جلدوں میں لکھ کر پورا کر دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیر الجزاء الی یوم الجزاء)

شاعری کا آغاز:

جس زمانہ میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹ میں زیرِ تعلیم تھے انہی دنوں میں آپ کو شعر گوئی کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ علامہ میر حسن مرحوم اپنے کسی شاگرد کو شعر کہنے کی ترغیب نہ دیتے تھے بلکہ بعض حالات میں تو سختی سے منع کر دیتے تھے۔ مگر آپ کے اشعار سن کر ان کی نگاہوں نے ایک شاعر کے مستقبل کو جانچا اور آپ کی حوصلہ افزائی بھی کی۔ بعض مواقع پر تو علامہ میر حسن مرحوم نے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کی ایسی داد دی جو ایک نو عمر نو مشق کو بھٹکا دینے کے لیے کافی ہو سکتی تھی مگر وہ شاعر جو فطرت سے خاص طور پر شعر کا پیامبر بنا کر بھیجا گیا تھا اور جس کی شانِ استغناء داد و تحسین سے بالاتر تھی اس ہمت افزائی سے اور سنورتا چلا گیا۔

جب علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ لاہور آئے۔ وہ زمانہ وہ تھا کہ انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسے مرجع عام و خاص بنے ہوئے تھے۔ مولانا حالی، حافظ نذیر احمد، شہزادہ ارشد گورگانی وغیرہ جیسی برگزیدہ ادب ہستیاں ان اجتماعوں کو اپنی شرکت سے زینت بخشا کرتے تھے۔ ان محفلوں میں کسی نو مشق شاعر کے لیے مرکز توجہ بن جانا اور ایسا چمکنا کہ اپنی تابانی و درخشانی سے آفاق کو خیرہ کر دے ایک غیر معمولی بات ہے۔

اس زمانہ کے لاہور کے مشاعرے بھی خاص اہمیت رکھتے تھے۔ یہ صحبتیں صحیح معنوں میں اہل علم و ادب کی محفلیں ہوتی تھیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دوستوں کے اصرار پر مشاعروں کی شرکت کا ارادہ کیا۔ ان دنوں آپ خط و کتابت کے ذریعہ استاد داغ مرحوم سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ یہاں یہ اشارہ بے موقع نہ ہوگا کہ داغ نے آپ کی کچھ غزلوں پر اصلاح کرنے کے بعد ان کو صاف صاف لکھ دیا کہ اب آپ کا کلام اصلاح سے پاک ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مشق سخن غزل گوئی سے شروع کی تھی لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ نے قومی و ملکی شاعری شروع کر دی اور غزلوں میں بھی وہی رنگ جھلکنے لگا۔ داغ کا اندازِ تغزل اس رنگ میں بالکل جدا تھا جس کی جانب آپ کی طبع ادراک ان کے لئے جا رہی تھی۔ اس لئے نواب فصیح الملک نے جو خود ایک بے مثل جوہر شناس تھے آپ کی اصلاح غیر ضروری سمجھی کیونکہ وہ پہچان گئے تھے کہ اقبال کسی اور مقصد کے لئے شعر کہتا ہے اس کا مقصود مشاعروں میں چمکنا نہیں بلکہ اپنے اشعار سے دنیا کو چمکا دینا ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا اسی ابتدائی زمانہ کا ایک مقطع ہے۔

نسیمِ تشنہ ہی اقبال کچھ اس پر نہیں نازاں
مجھے بھی فخر ہے شاگردیِ داغِ سخنداں کا

داغ کے شاگردوں میں بعض دائرہ تغزل میں نمایاں حیثیت حاصل کرنے میں کامیاب ثابت ہوئے اور بعض اہل فن بھی نکلے مگر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جس روش پر سخن گوئی کی اور جو مرتبہ حاصل کیا وہ خود استاد کے لیے موجب مباہات بن گیا۔ بیرسٹر سر شیخ عبدالقادر صاحب بانگ درا کے دیباچہ میں فرماتے ہیں۔

"علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے داغ کی زندگی ہی میں قبول عام کا وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ داغ

مرحوم اس بات پر فخر کرتے تھے کہ اقبال بھی ان لوگوں میں شامل ہے جن کے کلام کی انہوں نے اصلاح کی۔ مجھے خود دکن میں ان سے ملنے کا اتفاق ہوا اور میں نے خود ایسے فخریہ کلمات ان کی زبان سے سنے۔"

لاہور میں ان دنوں بھاٹی دروازہ کے اندر بیرسٹر حکیم امین الدین صاحب مرحوم کے مکان پر کامیاب مشاعرے ہوا کرتے تھے وہاں بھی علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ جانے لگے۔ ایک مشاعرہ میں آپ نے غزل پڑھی اور جب یہ شعر سنایا۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لئے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

تو مرزا ارشد گورگانی پھڑک اٹھے بے اختیار داد دی اور فرمایا۔

"میاں! اس عمر میں یہ شعر۔"

یہ غزل اس قدر کامیاب ہوئی کہ تمام لاہور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کمال شعر کا اعتراف کرنے لگا۔ اسی غزل کا مقطع تھا۔

اقبال لکھنؤ سے نہ دلی سے ہے غرض
ہم تو اسیر ہیں خمِ زلفِ کمال کے

واقعہ بھی یہی ہے کہ وہ شاعر جسے شعر و ادب ہی میں نہیں بلکہ حسیات و جذبات تک میں انقلاب پیدا کرنا تھا وہ کب ان تنگ دائروں میں محدود رہ سکتا تھا؟

مشاعروں سے قدم آگے بڑھا تو علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ قومی محفلوں میں شرکت فرمانے لگے۔ ایک محفل میں آپ نے چند رباعیات اور نظمیں سنائی تھیں۔ ان میں سے ایک رباعی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

سو تدابیر کی اے قوم یہ ہے اک تدبیر
چشم اغیار میں بڑھتی ہے اسی سے توقیر
دُرِ مطب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں
مل کے دُنیا میں رہو مثل حروف کشمیر

انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں شرکت:

غالباً سب سے پہلی نظم جو علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے انجمن حمایت اسلام کے پلیٹ فارم پر سنائی وہ "نالۂ یتیم" تھی جو 1899ء کے جلسہ میں پڑھی گئی۔ یہ دلگداز و زہرہ پاش نظم اس قدر مقبول ہوئی کہ انجمن کے جلسوں میں لوگ آپ کے متلاشی رہا کرتے تھے۔ آپ بھی احباب کے اصرار و فرمائش کو رد نہ کر سکتے اور جلسوں میں شرکت کر کے اپنی مؤثر نظموں سے سب کو رلاتے اور خود بھی قومی درد سے مجبور ہو کر روتے تھے۔ انجمن کے جلسوں کی مقبولیت اور

اجتماعات کی اہمیت کا اندازہ اس قصہ سے ہو سکتا ہے۔

"ایک جلسہ میں مولانا حالی، ڈاکٹر نذیر احمد، مرزا ارشد گورگانی، میاں سر محمد شفیع، سر عبدالقادر، میاں سر فضل حسین، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی، وغیرہ جیسے اکابر جمع تھے۔ رسم تھی کہ کسی کا کوئی شعر پسند کیا جاتا تو داد اس طرح دیتے کہ انجمن کو نقد عطیہ پیش کیا کرتے تھے۔ ایک شاعر نے نظم پڑھی۔ مولانا حالی مرحوم نے ایک شعر بہت پسند کیا اور انجمن کو دس روپیہ کا نوٹ عطا فرمایا۔ سارا میدان نعرہ ہائے تحسین سے گونج اٹھا۔ شاعر کی ہمت افزائی اور کیا ہو سکتی تھی کہ خود بابائے سخن حالی اس کے کلام کی داد دے۔ کچھ دیر بعد مولانا حالی کے پڑھنے کی باری آئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ان کی آواز پر ضعف پیری کا اس قدر غلبہ ہو چکا تھا کہ معمولی صحبتوں میں بھی ان کی آواز سننی مشکل ہوتی تھی چہ جائیکہ اس جلسہ میں جہاں لاتعداد انسانوں کو مجمع تھا۔ لوگ بیقرار تھے کہ خود ان کی زبان فیض ترجمان سے اس کا پیغام سنیں۔ اس لئے عجب افراتفری سی پیدا ہو چلی۔ آخر شیخ عبدالقادر صاحب نے کھڑے ہو کر مجمع کو خاموش کیا اور فرمایا کہ آپ مولانا حالی کی زبان سے تبرکاً جو کچھ بھی سنا جائے سن لیجئے بعد کو یہی نظم اقبال پڑھ کر سنائیں گے۔ جب اقبال، مولانا حالی کی نظم سنانے کھڑے ہوئے تو اول ایک رباعی فی البدیہہ کہہ کر پڑھی جو اس موقع کے لحاظ سے بھی نیز اپنی بلاغت کے اعتبار سے بھی بہت خوب تھی۔"

مشہور زمانہ میں ہے نامِ حالی
معمورِ مے حق سے ہے جامِ حالی
میں کشورِ شعر کا "نبی"[1] ہوں گویا
نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالی

1905ء میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ولایت چلے گئے تو انجمن کے اجلاس چند سال تک آپ کے نغموں سے محروم رہے۔ 1908ء میں ولایت سے واپس آئے تو پھر انجمن کی محفلوں میں شریک ہونے لگے۔ اپریل 1909ء کے جلسہ میں آپ نے اپنی مشہور و مقبول نظم شکوہ سنا کر حاضرین سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ حکیم محمد حسن صاحب قرشی جو اس بزم میں شریک تھے۔ لکھتے ہیں کہ

"جب ڈاکٹر صاحب نے اپنی سحر انگیز لے میں ندرت تخیل کے اس شاہکار کو پڑھنا شروع کیا تو تمام مجمع مسحور نظر آتا تھا۔"

---

[1] ا۔ اس مصرعہ میں نبی سے لغوی معنی مراد ہے نہ کہ اصطلاحی۔ مطلب یہ کہ میں شعر کی ایسی خبر دیتا ہوں جیسی اور کوئی نہیں دے سکتا۔ جیسا کہ اگلے مصرعہ سے صاف پتہ چل رہا ہے تاہم مناسب تھا کہ اس لفظ کی جگہ کوئی اور لفظ ہوتا تا کہ غلط فہمی نہ پیدا ہوتی۔

حکیم صاحب ہی کا بیان ہے کہ:

"جواب شکوہ انجمن کے جلسہ میں نہیں پڑھا گیا۔ جنگ بلقان کے متعلق موچی دروازہ کے ایک جلسہ میں سنایا گیا۔ اس جلسہ کا انتظام مولانا ظفر علی خاں صاحب نے کیا تھا۔ جلسہ میں آغا حشر مرحوم بھی شریک تھے۔ انہوں نے ایک دلچسپ تقریر میں بیان کیا کہ وہ بھی ایک نظم سنانا چاہتے تھے مگر آپ کے سامنے کسی کا رنگ جمنا مشکل ہے اس لئے وہ نظم نہیں کہہ سکے۔ غالباً آغا صاحب کے ذہن میں اس وقت ان کی مشہور نظم شکریہ یورپ کا تخیل آچکا تھا۔"

"نظم سے پہلے جو مظاہرہ ہوا وہ اس زمانہ میں بھی اقبال کی ہر دلعزیزی کا ایک دلآویز منظر تھا۔ پہلے تو رونمائی کا سوال پیدا ہوا جس پر جواب شکوہ کے ہر صفحہ کو مختلف اصحاب نے خریدا۔ اس کے بعد جب نظم شروع ہوئی تو ہر طرف سے آواز بلند ہوئی۔ "گا کر، گا کر۔" مگر جب ڈاکٹر صاحب نے پکار کر کہا کہ اس نظم کا مفہوم گانے سے ادا نہیں ہو سکے گا تو سب خاموش ہو گئے نظم کے اختتام پر اس کی سینکڑوں کاپیاں ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ یہ تمام روپیہ بلقان فنڈ میں دیا گیا۔"

حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ:

"انجمن کے جلسوں میں ڈاکٹر صاحب کی نظمیں اکثر طویل ہوا کرتی تھیں۔ بعض اوقات نظم ایک ہی مجلس میں ہوتی تھی اور بعض اوقات دو جلسوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی چنانچہ ایک ایسی ہی صورت میں ڈاکٹر صاحب نے یہ شعر پڑھا تھا۔

درمیان انجمن معشوقِ ہر جائی مباش
گاہ باسلطان باشی گاہ باشی بافقیر

اس وقت ایک جلسہ کے صدر مرزا سلطان احمد اور دوسرے جلسے کے صدر فقیر افتخار الدین تھے۔"

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اور بھی بہت سی متفرق نظمیں اور اسرار خودی کے بعض حصے انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں پڑھ کر سنائے تھے۔ تقریباً دس بارہ برس کی کنارہ کشی کے بعد جب آپ نے ایک بار پھر انجمن کے اجلاس میں شرکت کی اور اپنی تازہ نظم خضر راہ سنائی۔ اس وقت کی کیفیت الفاظ نہیں بیان کر سکتے جس درد انگیز طرز سے اقبال نے یہ نظم پڑھی اور جو کیفیت و بحالی حاضرین پر طاری ہوئی اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ جب اقبال نے یہ شعر پڑھا تو رو پڑے اور سب کو بے چین کر دیا۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفیٰ
خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

اور جب اس شعر پر پہنچے تو خود بھی رو رہے تھے اور سارا مجمع بھی بے اختیار اشکبار تھا اور بے قابو ہوا جا رہا تھا۔

ہو گیا مانند آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

خضر راہ سے اگلے سال علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے اپنی بے بدل نظم طلوع اسلام انجمن کے سالانہ اجلاس میں سنائی۔ خضر راہ سن کر مجمع جس طرح متاثر ہوا تھا اسی طرح اس نظم سے متکیف و بے خود نظر آتا تھا۔ انہی دنوں کا ذکر ہے کہ لاہور کے ارباب شعراء نے بزم اردو قائم کی چونکہ بزم کی کاروائیوں میں آپ کے اکثر احباب اور معتقدین شرکت کیا کرتے تھے اس لیے آپ بھی ان محفلوں کو اپنی شرکت کا شرف بخشتے رہتے تھے۔

ایک دلچسپ واقعہ:

جناب عبدالمجید صاحب سالک شیرازہ کے اقبال نمبر میں تحریری فرماتے ہیں۔

"1918ء کا ذکر ہے علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں تین چار چھوٹی چھوٹی نظمیں پڑھیں اور میں نے حسب عادت اسی وقت نقل کر لیں۔ سید امتیاز علی تاج کا رسالہ کہکشاں اس زمانہ میں جاری تھا اور حکومت کے تشدد کی وجہ سے روزانہ اخبار کوئی بھی موجود نہ تھا۔ میں نے ان میں سے ایک نظم کہکشاں میں درج کر دی اور لکھ دیا کہ ہم آئندہ بھی علامہ صاحب کا کلام درج کرتے رہیں گے۔ کہکشاں کا وہ پرچہ شائع ہوا ہی تھا کہ دوسرے دن تاج صاحب کے نام علامہ صاحب کی طرف سے ایک نوٹس پہنچ گیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے آپ کو اپنا کوئی کلام شائع کرنے کے لئے نہیں دیا پھر آپ کس بناء پر ناظرین سے میرا کلام شائع کرنے کا وعدہ کر رہے ہیں۔ آپ جلد سے جلد اس خلافِ قانون حرکت کی تلافی کیجئے ورنہ میں مجبوراً چارہ جوئی کروں گا۔ تاج صاحب نے وہ نوٹس مجھے دکھایا۔ میں شام کو سیدھا علامہ صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ آپ نے مجھ سے کسی قسم کی تکرار کا اظہار نہیں کیا۔ آخر میں نے خود ہی ذکر چھیڑا تو آپ نے شکایت کی کہ کہکشاں نے بلا اجازت میرا کلام شائع کیا ہے۔ میں نے گذارش کی کہ اگر آج کوئی روزانہ اخبار لاہور میں ہوتا اور وہ انجمن کے اجلاس کی روداد شائع کرتا تو یہ نظمیں لازما اس روداد میں شائع ہو جاتیں کیونکہ ہزارہا آدمیوں کے مجمع میں سنائی جا چکی تھیں اور رپورٹروں کو ترتیب روداد سے کوئی روک نہیں سکتا۔ آپ غالباً اس روزانہ اخبار کے خلاف کوئی کاروائی نہ کرتے تو پھر اس غریب ماہنامے کے خلاف عتاب کی کیا وجہ اور اگر آپ اجازت پر مصر ہوں تو میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ میرے پاس آپ کی تین غیر مطبوعہ نظمیں اور موجود ہیں اور میں انہیں کہکشاں میں درج کرنا چاہتا

ہوں؟ اس پر تکدر کا بادل یکدم چھٹ گیا اور آپ نے خوشی سے اجازت دے دی۔"

شعری خصوصیات:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے خودی کی بابت جو کچھ لکھا اور جس طرح لکھا اس کی مثال فارسی اور اردو ادب پیش نہیں کر سکتے۔ صوفیانہ شاعری کے مطولات بھی اس تفصیل و توضیح سے عاری نظر آتے ہیں۔ فکر کی بلندی اور خیال کی رفعت میں آپ کو ماضی و حال کے تمام شعراء پر سبقت حاصل ہے۔

بلند بال چنانم کہ بر سپہر بریں
ہزار بار مرا نوریاں کمیں کردند

کسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسا عمدہ طرز بیان اختیار کرتے ہیں اور الفاظ کا انتخاب اس قدر موزوں اور مناسب ہوتا ہے کہ شعر میں ایک خاص قسم کی رنگینی و شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے اور جو اثر آپ پیدا کرنا چاہتے ہیں الفاظ کے پورے طور پر حامل نظر آتے ہیں۔ یہ آپ ہی کا طرۂ امتیاز ہے اور آپ کے کلام میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم
چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طور

رات کے سکون، ہوا کی خاموشی اور دریا کے سکوت کو بیان کرنے کے لیے کیسے نرم و نازک الفاظ اختیار کئے ہیں کہ ایک مصرعہ میں وہ مفہوم ادا ہو گیا جس کے لئے چند شعر بھی شاید کفایت نہ کرتے۔

شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریا نرم سیر
تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویر آب

موت کو ان الفاظ سے تعبیر کرنے میں کس قدر حسرت ہے۔

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر
چشم محفل میں ہے اب تک کیف صہبائے امیر

"داستانِ محبت" طرح طرح بیان کی جاتی ہے۔ اس اندازِ بیان کی خوبی اور جامعیت ملاحظہ ہو۔

اک اضطراب مسلسل غیاب ہو کہ حضور
میں خود کہوں تو میری داستاں دراز نہیں
احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں ایسا
سوز و تب و تاب اوّل سوز و تب و تاب آخر

عروج انسانی پرستاروں کا اندیشہ ناک ہونا کس خوبی سے بیان کیا ہے۔

عروجِ آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں درد و سوز و گداز ہے اس لئے آپ کے اشعار میں بھی اس کی جھلک نمایاں ہے اور جو قومی و ملی نظمیں ہیں وہ تو تمام و کمال سوز و درد ہیں۔ اردو میں میرؔ کے سوا اس قدر درد، سوز اور اثر کسی اور شاعر میں نہیں۔

بنایا عشق نے دریائے ناپید اکراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا ساحل نہ بن جائے
نہ کر دیں مجھ کو مجبورِ نوا فردوس میں حوریں
مرا سوزِ دروں پھر گرمیٔ محفل نہ بن جائے

عربی و فارسی پر قدرت کاملہ رکھنے کے باعث علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایسی ترکیبیں ایجاد کرتے ہیں کہ جو مفہوم ان کے چند الفاظ سے ادا ہو جاتا ہے وہ کئی جملوں میں ادا نہیں ہو سکتا۔ ایسے مرکب الفاظ کو آپ جس سلیقہ اور لطف کے ساتھ باندھ جاتے ہیں دوسروں کو نصیب نہیں۔ یہ خصوصیت غالبؔ اور مومنؔ کے زمانہ سے اردو میں عام ہوئی اور اقبالؔ نے اس کو اس قدر مقبول بنا دیا کہ پھر سب نے آپ کی تقلید میں نئی نئی ترکیبیں۔ ایجاد کرنی شروع کر دیں لیکن عربی و فارسی سے کم علمی کی بنا پر اکثر شعرا عموماً گوناگوں غلطیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔

گرج کا شور نہیں ہے خموش ہے یہ گھٹا
عجیب میکدہَ بے خروش ہے یہ گھٹا

فلسفہ جیسی خشک شے کو علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیان سے رنگین بنا دیتے ہیں اور معمولی اشیاء میں بھی آپ کو فلسفیانہ حقائق نظر آتے ہیں۔

مینا مدام شورشِ قلقل سے پا بگل
لیکن مزاجِ جام خرام آشنا خموش
شاعر کے فکر کو پرِ پرواز خامشی
سرمایہ دار گرمیٔ آواز خامشی

شبِ معراج میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو یہ درس نظر آتا ہے۔

رہ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

سبق ملا یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں

زندگی کا فلسفہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اردو اور فارسی میں طرح طرح سے لکھا ہے اور اس فلسفہ سے مفید و عجیب حقائق و دقائق ملت کے سامنے پیش کئے ہیں۔

پرسیدم از بلند نگا ہے حیات چیست
گفتائے کی تلخ ترا و نکو تر است
گفتم کہ کرمک است وزگل سر بروں زند
گفتا کہ شعلہ ز اد مثال سمندر است
گفتم کہ شر بفطرت خامش نہادہ اند
گفتا کہ خیرا نشناسی ہمیں شر است
گفتم کہ شوقِ سیر نبردش بمنزلے
گفتا کہ منزلش بہ ہمیں شوقِ مضمر است
گفتم کہ خاکی است و بخاکش ہی دہند
گفتا چو دانہ خاک شگافد گل تر است

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں شاعرانہ شوخ گفتاری بھی اکثر نظر آتی ہے اور اس شوخی سے مضمون میں عجب لطف پیدا ہو جاتا ہے۔

وگر ز سادہ دلی ہائے یار نتواں گفت
نشستہ برسرِ بالین من ز ور ماں گفت

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نظموں اور غزلوں کے لئے عموماً ان بحروں کا انتخاب کیا ہے جن سے کلام میں روانی اور ترنم پیدا ہو جاتا ہے۔ الفاظ کی موزونیت اس موسیقیت میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ عصر حاضر کی ایرانی شاعری کا ایک خاص انداز یہ ہے کہ چند مصرعوں کے بعد مستزاد کے ایک یا زائد ٹکڑے اضافہ کر دیتے ہیں جس سے عجب رعنائی و دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ آپ نے اس خصوصیت کو ہندوستان میں رواج دیا۔ اس کے بعد اور شعراء نے عام طور پر اس کو اختیار کیا مگر آپ جس خوبی سے اس خصوصیت کو برت جاتے ہیں دوسروں کو وہ بات نصیب نہیں۔ طلوعِ اسلام بحر ہزج مثمن سالم میں ہے۔ یہ بحر اس قدر مقبول ہوئی کہ حفیظ جالندھری نے شاہنامہ اسلام کے لئے اسی کو پسند کیا۔ اب تو ہر شاعر اسی میں نظم لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہستی ما نظامِ ما
مستی ما خرامِ ما
گردشِ بے مقامِ ما
زندگی دوامِ ما

دورِ فلک بکامِ ما مے نگریم دے رویم

موسیقیت کے ذیل میں جن نظموں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے ان سب میں کس قدر روانی و سلاست
وہاں غزلیں بخوفِ طوالت نقل کی گئی تھیں یہاں مثالاً چند نقل کرتا ہوں ان کی سلاست و روانی اور موسیقیت
دیکھئے۔ایسی غزلیں لاتعداد ہیں۔

شہید محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
وہ کچھ اور شے ہی محبت نہیں ہے
سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی
یہ جوہر اگر کافر ما نہیں ہیں
تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ سازی
نہ محتاج سلطاں نہ مرعوبِ سلطاں
محبت ہے آزادی و بے نیازی
مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

مناظرِ فطرت اور مظاہرِ قدرت کی تصویر کشی میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ایک شعر میں
تصویر کھینچ دی ہے جس کے لئے کئی شعر بھی شاید کافی نہ ہوئے۔

ہوا کے زور سے اُبھرا، بڑھا اُڑا بادل
اُٹھی وہ اور گھٹا لو برس پڑا بادل

مشہور قطعہ "ایک آرزو" میں دامانِ کوہ کا منظر کس قدر دلفریب بنا دیا ہے۔

صف باندھے دونوں جانب لوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو
ہو دلفریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو
پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو
مہندی لگائے سورج جب شام کو دلہن کو
سرخی لئے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

رات کا سکون، دریا کا سکوت، اس وقت کے خاموش منظر خوبی کے ساتھ چند اشعار میں بیان کئے ہیں ۔

ساحلِ دریا پہ میں اک رات تھا محوِ نظر
گوشۂ دل میں چھپائے اک جہانِ اضطراب

شب سکوت افزا ہوا آسودہ دریا نرم سیر
تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب
جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیر خوار
موجِ مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مستِ خواب
رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتارِ طلسمِ ماہتاب

کشمیر کی تعریف میں لکھتے ہیں ۔

رخت بہ کاشمر کشا کوہ و تل و دمن نگر
سبزہ جہاں جہاں بہ بیں لالہ چمن چمن نگر
بادِ بہار موج موج، مرغ، بہار فوج فوج
صلصل وساز وج زوج، برسرِ نارون نگر
لالہ زخاک بردمید، موج بہ آبجو تپید
ب شرر شرر بہ بین، آب شکن شکن نگر
زخمہ بہ ترِ ساززن، بادہ بہ ساتگیں بریز
قافلۂ بہار را انجمن انجمن نگر

جدید تشبیہوں اور نادر استعاروں سے کلام کو مرصع کرنے میں علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ کو جو کمال حاصل ہے وہ فارسی اور اردو میں کم شاعروں کو نصیب ہوا۔ اس دور میں بھی جوشؔ کے سوا کسی کو آپ جیسی قدرت تامہ حاصل نہیں ہوئی ۔جگنو کے لیے کیسی نادر تشبیہیں پیدا کی ہیں ۔

وامانده شعاعے کہ گرہ خورد شرر شد
ازسوزِ حیات است کہ کارش ... زر شد
دارائے نظر شد
پروانۂ بیتاب کہ ہر سو تگ و پو کرد
بر شمع چناں سوخت کے خود را ہمہ او کرد

ترک من و تو کرد

یا اختر کے ماہ مبینے بکمینے

نزدیک تر امد بتما شائے زمینے

از چرخ برینے

یا ماہِ تنک ضو کہ بیک جلوہ تمام است

ماہے کہ برومنت خورشید حرام است

آزاد مقام است

موت کے لئے کیسی دلکش تعبیریں کی ہیں۔

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے

خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

خوگر پرواز کو پرواز میں ڈر کچھ نہیں

موت اس گلشن میں جز سنجیدنِ پر کچھ نہیں

درس حیات کوتشبیہ واستعارہ سے کس قدر پختہ و پرزور بنا دیا ہے۔

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی

چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

ہمالیہ سے اس طرح خطاب کرنا استعارہ کی لطافت ونزاکت کی انتہا ہے۔

اے ز صبح آفرینش یخ بدوش

پیکرت از رود وہا زنار پوش

تمثیلی انداز میں کلام کو مرصع ومدلل بنا کر بیان کرنے میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو خاص مہارت ہے۔آپ کی تمثیلیں دلکش اور عامتہ الورود ہوتی ہیں۔ پھر آپ کا حسن بیان اس مثال کو کچھ اور ہی آب و رنگ بخش دیتا ہے۔ عروج وزوال کے لیے کیا خوب تمثیل بیان کی ہے۔

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے

کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

بعض اہل مذہب کی تنگ نظری قوم کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔اس کے لئے کیسی نادر تمثیل پیدا کی ہے۔

شیخ مکتب کے طریقوں سے کش آد دل کہاں

کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

عقل اور عشق کے امتیاز کو علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے طرح طرح سے بیان کیا ہے۔ایک مثال ملاحظہ ہو کہ

کیسی تمثیل سے مضمون کو ثابت کرتے ہیں۔

عقل ورق ورق بگشت عشق بہ نکتہ رسید

طائر زیرکے برد دانہ زیر دام را

غزل مسلسل کا وجود فارسی اور اردو میں مدت مدید سے ہے یہ کوئی علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی جدت نہیں لیکن علامہ کی غزلیں چونکہ اس خصوصیت سے عموماً مزین ہیں اور فارسی یا اردو کے کسی شاعر نے اس کثرت و التزام سے مسلسل غزلیں نہیں لکھیں۔ اس لئے یہ امر بھی آپ کی امتیازی خصوصیت اسی طرح بن گیا ہے جس طرح یہ وصف کہ آپ مقطع کی پابندی غزل میں بھی پسند نہیں فرماتے چنانچہ آپ کی غزلیں عموماً بغیر مقطع کے ہوتی ہیں مثلاً ایک غزل فارسی کی ملاحظہ ہو۔

ساقیا برجگرم شعلہ نمناک انداز

دگر آشوبِ قیامت بکف خاک انداز

اوبیک دانہ گندم بزمینم انداخت

تو بیک جرعہ آب آنسوئے افلاک انداز

عشق را بادہ مرد افگن و پر زور بدہ

مئے ایں بادہ بہ پیمانہ ادراک انداز

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مقام و مرتبہ:

انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے اردو اور فارسی شعراء میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ بے حد بلند ہے۔ تخیل کی عظمت، نظر کی وسعت، فکر کی رفعت، ترجمانی حقیقت، زود اثر اور صاحب درس و پیغام ہونے کے اعتبار سے کوئی دوسرا شاعر آپ کا ہمعصر دکھائی نہیں دیتا۔ آپ سے قبل مرزا غالبؔ نے شاعری میں جدت پیدا کی تھی اور حالی بھی اگرچہ بڑے شاعر تھے جنہوں نے قوم کے دل و دماغ میں ہیجان و انقلاب پیدا کیا مگر قوم کی رہنمائی آپ نے کی اور قوم میں جو شعور اجاگر کیا وہ کسی دوسرے شاعر کی شاعری نے نہ کیا۔ آپ ماضی، حال اور مستقبل تینوں حیثیتوں میں جامع تھے اور آپ نے وہ کام کیا جو اس میدان کے بڑے سے بڑے مصلح بھی نہ کر سکے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے عصر حاضر کے عقائد و تخیلات میں انقلاب پیدا کر دیا چنانچہ علم و ادب نے بھی اس انقلابی لہر کو قبول کیا۔ آج جو شاعری "گل و بلبل" کے افسانوں سے خالی نظر آتی ہے۔ اس کا سبب "تقلید اقبال" ہی ہے۔ یہ خصوصیت پنجاب کے شعراء میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہے کہ انھوں نے آپ کے درس سے صحیح فائدہ اٹھا کر کامیاب تقلید کی ہے۔ بقیہ شعراء میں دو جماعتیں ہیں ایک وہ جو کورانہ تقلید میں گرفتار ہیں اور اس لئے اس انقلاب کا اثر قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں ان میں بجز مستثنیات کے سب وقت ضائع کرتے ہیں اور ادب میں کوئی غیر مفید اضافہ بھی نہیں کرتے۔ دوسرے وہ حضرات جو گامزن تو اسی راہ پر ہیں مگر اعتراف حقیقت کو شاید اپنی سبکی سمجھ کر

دوسروں کی آنکھوں میں خاک جھونکنا چاہتے ہیں حالانکہ دانستہ یا نادانستہ اقبال کی تقلید سے باز نہیں رہ سکتے حقیقت امر یہ ہے کہ شبلی، حالی، نذیر احمد اور اکبر نے جس ادبی انقلاب کے سوا جو غالب یا مومن یا امیر یا داغ کے پیروی سب خواہ وہ اعتراف کریں یا نہ کریں اسی "اقبال سکول" کے متعلم اور مقلد ہیں۔

مشہور مستشرق فاضل ڈاکٹر نکلسن جنہوں نے اسرارِ خودی کا انگریزی ترجمہ کیا ہے۔ پیام مشرق پر فاضلانہ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"عہد حاضر کے ہندوستانی شعراء میں اقبال ایک نہایت رفیع درجہ رکھتا ہے اس کے سازے دو قسم کے نغموں کی صدائیں نکلتی ہیں۔ پہلی صدا ہندی الاصل (اردو) جو حرمت وطن کے جذبات کے لیے دادطلب ہے حالانکہ اقبال سیاسی حیثیت سے وطن پرست نہیں۔ دوسرا سرود خاکِ ایران کی شیریں اور سریلی زبان میں ہے جو ملت اسلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ درحقیقت یہ جدید اور فیضانی سرود جو اپنی سحر کاریوں سے آتشیں شعلے اور خاکستر دور دور پھیلا رہا ہے عنقریب ایک الہامی آواز کی حیثیت پیدا کرنے والا ہے۔"

تصنیفات:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

اردو:

۱۔ علم الاقتصاد
۲۔ بانگ درا
۳۔ بالِ جبریل
۴۔ ضربِ کلیم

فارسی:

۱۔ اسرارِ خودی
۲۔ رموزِ بے خودی
۳۔ پیامِ مشرق
۴۔ زبورِ عجم مع گلشن راز جدید و بندگی نامہ
۵۔ جاوید نامہ
۶۔ پس چہ باید کرد اے اقوام شرق مع مسافر
۷۔ ارمغانِ حجاز

انگریزی:

۱۔ ایران میں فلسفہ مابعد الطبیعات کا ارتقاء اسلامی مذہبی تخیل کی جدید تشکیل۔

ان کے علاوہ وہ خطبات ہیں جو علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے لندن میں اسلام پر دیئے تھے۔ یہ غالباً کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے یا وہ خطبات ہیں جو آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم کانفرنس کے صدر کی حیثیت سے ارشاد فرمائے یا وہ تقریریں ہیں جو آپ نے پنجاب کونسل میں یا دوسرے مختلف اداروں میں ہندوستان میں یا مغربی ممالک میں فرمائیں یا چند مضامین ہیں جو سیاسی و مذہبی اختلاف رائے کی بنا پر آپ نے شائع کئے۔

اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا پیغامِ توحید:

عرفانِ نفس اور عرفانِ خدا (خودی اور توحید) حیات کا مقصود حقیقی اور تمام کائنات کی اصلی منزل ہے۔ یہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا اور یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں لیکن وائے برحال ما کہ ہم اس اصلی سبق کو بھولے بیٹھے ہیں۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص اور موثر رنگ میں توحید کی حقیقت و اہمیت جتا کر اس صراطِ مستقیم کی طرف بڑے جوش سے دعوت دی ہے اور ہماری غفلت و بے حسی کا ماتم کرتے ہوئے اس اہم فریضہ کو بار بار طرح طرح سے ہمیں یاد دلایا ہے۔

خودی کا سرِ نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریب سود و زیاں لا الہ الا اللہ
یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور طریقت:

طریقت شریعت سے جدا کوئی شے نہیں ہے بلکہ شریعت کے اسرار و رموز کا نام طریقت ہے اسی کو تصوف کہتے ہیں۔ جو تصوف شریعت سے علیحدہ راستہ پر چلائے وہ مذہب اسلام سے ہرگز کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔ چونکہ طریقت یا تصوف عام ذہن سے برتر ہوتا ہے اسی لئے عوام اس کو شریعت کے ماسوا خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ امر واقعہ کے خلاف ہے۔ اسلامی تصوف قرآن پاک اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ماخوذ ہے اور اس کا وجود عہد رسالت سے ثابت و محقق ہے۔ مستشرقین فضلاء نے بھی اپنی تحقیقات سے اسی نتیجہ کا انکشاف کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ بعد کے ماحول اور زمانہ نے اس میں دوسرے تخیلات کو مدغم کر دیا لیکن اس تاثیر و تاثر نے تصوف اسلامی کی روح پر کوئی اثر نہ ڈالا اس روح کے لئے جسم پھر بھی شریعت ہی رہی۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس حقیقت کا صحیح احساس ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

پس طریقت چیست اے والا صفات؟
شرع را دیدن باعماقِ حیات
فاش میخواہی اگر اسرار دیں
جزبہ اعماق ضمیر خود مبیں
گر نہ بینی دین تو مجبوری است
ایں چنیں دیں از خدا مہجوری است

طریقت کی اس حقیقت سے اغراض و اغماض کرنے کے سبب سے ہی ملت مرحومہ پر پستی و ادبار کی گھٹا چھائی ہوئی نظر آتی ہے اور علمائے سوء نے اس نکتہ پر پردہ ڈال کر ہی امت کو تباہی و بربادی کی طرف رہنمائی کی ہے۔

مکتب ملا سخن ہا ساختند
مومناں ایں نکتہ رانشنا ختند
زندہ قومے بو داز تاویل مرد
آتش او درضمیر او فسرد
صوفیان باصفار ادیدہ ام
شیخ مکتب را نکو سنجیدہ ام
عصر من پیغمبرے ہم آفرید
آنکہ در قرآں بغیر از خود ندید
ہر یکے دانائے قرآن و خبر
در شریعت کم سو ادو کم نظر

عقل و نقل افتادہ در بند ہوس
منبر شاں منبر کاک است و بس
زیں کلیماں نیست امید کشود
آستیں ہائے ید بیضا چہ سود؟

وصال:

راجہ حسن اختر صاحب کا بیان ہے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے تقریباً دس منٹ قبل حسب ذیل قطعہ پڑھ کر وقت آجانے کا اعلان کر دیا تھا۔

سرور رفتہ آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

صبح کے سوا پانچ بجے کا وقت تھا علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا دیرینہ ملازم علی بخش جسم دبا رہا تھا آپ نے دل پر ہاتھ رکھا اور کہا۔"اب درد ادھر آگیا ہے۔"

ایک آہ کھینچی اور تبسم برلبِ اوست، روح جان آفریں کو سپرد کر دی۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ پر سکرات موت کی کوئی کیفیت طاری نہ ہوئی اور آخر تک کامل ہوش میں رہے۔

انتقال کے وقت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی عمر عیسوی حساب سے 65 سال ایک مہینہ انتیس دن اور ہجری سن سے سڑسٹھ سال ایک مہینہ چھبیس دن کی تھی۔ رحلت کی اطلاع شہر میں ہوئی تو تمام سرکاری وغیرہ سرکاری دفاتر، عدالتیں، کالج اور تمام اسلامی ادارات بند کر دیئے گئے اور صبح سے ہی احباب اور شیدائیوں کے انبوہ کے انبوہ جاوید منزل پر سوگواری کے لیے آنے شروع ہو گئے۔

تجہیز و تکفین:

انتقال کے بعد چودھری محمد حسین صاحب ایم اے اور ڈاکٹر مظفر دین صاحب نے طے کیا۔ کہ بادشاہی مسجد کے کسی حجرہ میں مرحوم کو جگہ دی جائے مگر سر سکندر حیات خاں صاحب وزیر اعظیم پنجاب کلکتہ سے واپسی میں راہ میں تھے۔ اس لئے دشواری تھی چنانچہ دیگر اکابرین سے مشورہ کیا گیا۔ سید محسن شاہ صاحب، خلیفہ شجاع الدین صاحب، خان صاحب سعادت علی خاں صاحب، میاں نظام الدین صاحب، میاں امیر الدین صاحب، مولانا غلام مرشد صاحب، مولانا عبدالمجید صاحب سالک، چودھری محمد حسین صاحب اور مولانا مہر صاحب شاہی مسجد کو روانہ ہوئے تاکہ مدفن کا تعین کیا جاسکے۔ مسجد کے دروازہ کی بائیں جانب جو قطعہ زمین تھا وہ زیادہ موزوں معلوم ہوا اس لئے اندر حجرہ کا خیال ترک کر

کے اس جگہ کے لیے اجازت حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

پانچ آدمیوں کا ایک وفد اس مقصد کے لئے سر ہنری کریک گورنر پنجاب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ جگہ آثار قدیمہ کی نگرانی میں تھی اس لئے دہلی سے اجازت منگوانی ضروری تھی۔ گورنر صاحب نے انتہائی ہمدردی سے کام کیا اور بارہ بجے تک دہلی سے اجازت منگوادی اور چار بجے تک اجازت کے ضروری کاغذات بھی ترتیب پا گئے۔

جاوید منزل میورو ڈ پر واقع ہے وہاں سے شام کو پانچ بجے جنازہ روانہ ہوا۔ لمبے لمبے بانس چارپائی میں لگا دیئے گئے تھے۔ ورنہ ہجوم کی اس قدر زیادتی تھی کندھا دینا ناممکن ہو جاتا۔ جب جنازہ اٹھا تو عجب کہرام برپا تھا۔ ہر مسلمان زاروقطار رو رہا تھا۔ پنجاب کے تمام عمائدین و اکابر بلا امتیاز دین وملت جنازہ میں شامل تھے۔ وکلاء، بیرسٹر، شعرا، اخبار نویس، کالجوں کے اساتذہ وطلبہ، تاجر حتیٰ کہ وزراء وحکام سب حسرت و یاس کے پیکر بنے ہوئے ہمراہ تھے۔ گورنر پنجاب کی جانب سے چیف سیکرٹری نے، نواب صاحب بہاول پور کی طرف سے ان کے سیکرٹری نے اور ایجنٹ این ڈبلیو آر کے نمائندہ نے پھولوں کی چادریں جنازہ پر چڑھائیں۔ جلوس کے آگے سوار اور پیدل پولیس کی بھاری تعداد تھی۔

نیلی پوش رضا کار، مجلس احرار کے سرخ پوش رضا کار، خاکساروں کا باوردی جیش، کامریڈ مسلم جیش کے باوردی رضا کار، الہلال پارٹی کے رضا کار، غرض باوردی رضا کاروں کی کثیر جماعت ہمراہ تھی۔ اس عاشق رسول ﷺ کا جنازہ ایسی دھوم اور شان سے ریلوے اسٹیشن اور ریلوے روڈ پر ہوتا ہوا اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں پہنچا۔ نماز جنازہ پڑھنے کے خیال سے یہاں پہلے سے ہزار ہا مخلوق جمع تھی لیکن منتظمین نے یہاں نماز نہ پڑھی اور جلوس نشتر روڈ سے ہو کر دہلی دروازہ کی طرف روانہ ہوا۔ جنازہ کے ساتھ کم سے کم ساٹھ ہزار ہندو، مسلمان، سکھ شریک تھے۔ جلوس سات بجے کے بعد شاہی مسجد پہنچا۔ شاہی مسجد میں نمازیوں کی کثرت کے باعث صفیں مرتب کرنے میں بہت دیر لگی۔ آٹھ بجے شب کو نماز ادا کی گئی اور پونے دس بجے رات کے قریب شاہی مسجد کے باہر ملحقہ باغ میں یہ شاعرِ مشرق ہمیشہ کو آرام گاہِ لحد میں جا سویا۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت نے ہندوستان بھر کی ادبی محفلوں میں قیامت کی سی ہلچل ڈال دی۔ اصحاب قلم نے آپ کی زندگی اور پیغام پر مضامین لکھے۔ شعراء نے نظمیں اور قطعات کہے اور تاریخ وصال اشعار کے ذریعے بیان کیں۔ آپ کی یاد میں انجمنیں اور ادارے قائم کئے جانے لگے۔

جناب حاجی مولوی حامد حسن صاحب قادری پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ نے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہی کے مشہور قطعہ کے چوتھے مصرعہ "دگر دانائے راز آید کہ ناید" پر ایک مصرعہ بڑھا کر تاریخ نکالی ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ قادری صاحب نے اوّل اوّل قطعہ کو جس جگہ دیکھا وہاں "آید نہ آید" لکھا ہوا تھا۔ بعد میں آپ کو صحیح نسخہ "آید کہ آید" معلوم ہوا۔ آپ پہلے نسخہ کے مطابق تاریخ نکال چکے تھے۔ بعد کو صحیح نسخہ کے مطابق مادہ پیدا کیا۔ دونوں تاریخیں درج کرتا ہوں، مولانا قادری صاحب کو تاریخ گوئی میں کمال حاصل ہے انہوں یہ مادے بھی بے مثل نکالے ہیں۔

برفت اقبال رفت از جاں قرارے
قرارِ جاں نواز آید کہ ناید

برفت اقبال رفت از دیں بہارے
"نسیمے از حجاز آید کہ ناید"
برفت اقبال ورفت از شعر نغمہ
"سرورِ رفتہ باز آید کہ ناید"
وگر آید کہ ناید حُسن درنظم
وگرآں سوزو ساز آید کہ ناید
وگر آید کہ ناید عشق در شعر
حقیقت درمجاز آید کہ ناید
وگر آید کہ ناید مشربِ ناب
نگاہِ پاکباز آید کہ ناید
وگر از کارواں مشتِ غبارے
بشوقِ اہتزاز آید کہ ناید
خدارا بندگان بسیار باشند
"خودی" را کارساز آید کہ ناید
کرلے دارند وہم سودا وہم درد
سراں راسر فراز آید کہ ناید
سرناز خودی در کعبۂ دل
بآئین نیاز آید کہ ناید
در میخانہ اسیرِ باز است
کسے از در فراز آید کہ ناید
ز شعر شنی ساختم تاریخ رحلت
بفتوائے جواز آید کہ ناید
برفت اقبال آں عرفان نوائے ۱۳۳۵
وگر دانائے راز آید کہ ناید ۶۶۳

۱۹۳۸ء

مولانا قادری صاحب قبلہ نے ایک تاریخ اور کہی ہے اور انہوں نے عیسوی وہجری مادے بڑی خوبی کے ساتھ ایک ہی مصرعے میں نکالے۔

یگانہ باخدا او باخودی و زخویش بیگانہ
زہے اقبال فرزانہ خوشا اقبال دیوانہ
برآمد سالِ رحلت ہم زہجری و زمیلادی
چو افزودم "پر المغفور" "اناء للہ برھانہ"

۱۳۵۷ھ + ۵۸۱
۱۹۳۸ء

لوحِ مزار:

شیخ عطاء اللہ جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اکنامکس ڈیپارٹمنٹ سے وابستہ تھے انہوں نے "سرگذشت" میں لکھا کہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے لوحِ مزار کے طور پر یہ قطعہ کہا تھا مگر سر راس مسعود مرحوم کے انتقال پر یہ قطعہ ان کے لئے وقف کر دیا۔

نہ پیوستم دریں بُستاں سرا دل
زبندِ این و آں آزادہ رفتم
چو بادِ صبح گر دیدم دمے چند
گلاں را آب و رنگے دادہ رفتم

شیخ عطاء اللہ نے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے چند اور اشعار آپ کے لوحِ مزار کے لیے انتخاب کر کے پیش کئے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

زیارت گاہ اہل عزم وہمت ہے لحد میری
کہ خاک راہ کو میں نے بتایا راز الوندی

☆☆☆

چو رختِ خویش بربستم ازیں خاک
ہمہ گفتند باما آشنا بُود
ولیکن کس ندانست ایں مسافر
چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بُود

اولاد:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے دو شادیاں کی تھیں۔ آپ کی پہلی بیوی سے ایک بیٹا بیرسٹر آفتاب اقبال تھے اور دوسری بیوی سے ایک بیٹا جسٹس جاوید اقبال اور ایک بیٹی منیزہ بانو ہے۔

شرح کلیاتِ اقبال اردو

از:
ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

شارح:
الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری